رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۷۷۵

قال اللہ تعالیٰ وقرآناً فرقناہ لتقرأہ علی الناس علیٰ مکث ونزلناہ تنزیلا

چوں آیت موصوفہ دال ست بر فضیلت تعلیم و تعلم تدریجی برائے عامہ ناس

حاضر باشد یا بادی ٭ و نیز بر ضرورت تعلیم علوم قرآنیہ یعنی دینیہ کہ مشتمل ست بر

مقاصد و مبادی ٭ پس اتباعاً للنص المذکور ٭ صحیفہ شہریہ کہ متدرج ست بتدریج شہور

مسمی بہ

الہادی

نمبر ۳ | بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ | جلد ۴

کہ جامع ست انواع علوم دینیہ را برائے ہر طالب جادی و مذکر ست در ہر مجلس و نادی

و مسکن ست برائے ہر جائع و صادی ٭ بصورت ترجمہ رسالہ ترغیب و ترہیب و تسہیل المواعظ

و حل اغتباہات و کلید مثنوی و تشرف و امیر الروایات کہ اکثر آں مستفاد ست از

درگاہ ارشادی یعنی خانقاہ اشرفی امدادی ٭ بادارہ محمد عثمان عامی ٭ ودہر دو اسلامی

در محبوب المطابع دہلی مطبوع گردید

از کتبخانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی [illegible] شائع میگردد

فہرست مضامین

رسالہ الہادی بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ

جو بہ برکت دعاء حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرفعلی صاحب مدظلہم العالی

کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلان دہلی سے شائع ہوتا ہے

اُصول و مقاصد رسالہ الہادی اور ضروری اطلاعین

(۱) رسالہ ہذا کا مقصود امۃ محمدیہ کے عقائد و اخلاق و معاشرت کی اصلاح ہے۔

(۲) یہ رسالہ ہر قمری مہینے کی تیسری تاریخ کو بجد بعد عین تاریخ ہی پر شائع ہوتا ہے۔

(۳) رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ سے یہ رسالہ معہ ٹائیٹل تین جز کا کر دیا گیا ہے اور قیمت سالانہ وہی دو روپے آٹھ آنے۔ (عہ)

(۴) سوائے ان صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے ہیں جملہ حضرات خریداران کی خدمت میں رسالہ وی پی بھیجا جائیگا اور دو آنہ خرچ رجسٹری اضافہ کرکے عہ کا وی۔ پی روانہ ہوگا جسپر دو آنہ فیس منی آرڈر ڈاکخانہ اضافہ کریگا اور دو روپے بارہ آنہ کا وی۔ پی پہنچے گا۔

(۵) جن حضرات کی خدمت میں نمونہ کے طور پر رسالہ ارسال کیا جاتا ہے وہ جبتک پیشگی قیمت نہ بھیجین گے یا وی۔ پی کی اجازت نہ دینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائے گا۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں خریدار ہونگے انکی خدمت میں کل پرچے شروع جلد یعنی جمادی الاول ۱۳۴۶ھ سے بھیجے جائینگے۔ اور ابتدا سال سے خریدار سمجھے جائینگے۔

اور اگر الہادی کی جلد اول و دوم و سوم درکار ہوں طلب فرماوین مگر اسکی قیمت فی جلد تین روپے ہے۔ علاوہ محصولڈاک

الراقم

محمد عثمان مالک و مدیر رسالہ الہادی دہلی

لہذا (اسکے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ) ہر کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہ ایک صدقہ ہے اور ہر کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ایک صدقہ ہے اور ہر کلمہ لا الہ الا اللہ ایک صدقہ ہے اور ہر کلمہ اللہ اکبر ایک صدقہ ہے اور کسی کو بھلی بات بتلانا ایک صدقہ ہے بُری بات سے کسیکو روکنا ایک صدقہ ہے (ان کا ورد رکھو تمام صدقات ادا ہو جائینگے) اور ان سب کے بجائے صرف چاشت کی دو رکعتیں کفایت کر جاتی ہیں (کسقدر رستے چھوٹے کیا، کیا اللہ میاں کی کریمی ہے) اسکو مسلم نے روایت کیا ہو۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں لہذا اسپر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ایسا کون کر سکتا ہے (کس کی اتنی ہمت ہے) آپ نے فرمایا ناک کی ریزش اگر (اتفاق سے) مسجد میں (گر پڑی) ہو تو اسکو دفع کردو عام راستہ سے (تکلیف دہ) چیز ہٹادو اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو دو رکعت چاشت کی (پڑھ لیا کرو) یہ (سبکی طرف سے) تمہارے لئے کافی ہیں اسکو امام احمد نے انہی لفظوں سے روایت کیا نیز ابوداؤد ابن خزیمہ ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے تھے کہ میرے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھکو تین باتوں کی وصیت کی ہے جبتک جان میں جان ہے کبھی انکو نہ چھوڑونگا (۱) ہر مہینے میں تین روزے (۲) چاشت کی نماز (۳) اور کبھی بغیر وتر پڑھے رات کو نہ سوؤں۔ اسکو مسلم ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک سریہ (چھوٹا سا لشکر کسی قوم سے لڑنے کے لئے) بھیجا (خلاف عادت) وہ لشکر بہت جلد (مظفر و منصور اور بہت کچھ) مال غنیمت لیکر واپس آگیا لہذا لوگوں میں انکے اس تھوڑے عرصہ میں جنگ سے فارغ ہوکر اور اسقدر مال غنیمت کے ساتھ ایسی جلدی واپس آجانے پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ (یہ کیا ہیں) ہم تمہیں اس سے بھی قریب تر جنگ کا فاتح اور اس سے زاید مال غنیمت لیکر جلد تر واپس ہونیوالا شخص بتلائیں (دیکھو) جو شخص صبح کو وضو کرکے چاشت کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد گیا وہ

۲۹۹

(ثواب کے اعتبار سے) ان سے قریب تر جنگ کا فاتح ان سے زیادہ مال غنیمت لیکر ان سے جلد واپس ہونیوالا شخص ہے اسکو امام احمد نے بروایۃ ابن ربیعہ روایت کیا نیز طبرانی نے بسند جید روایت کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک لشکر (کسی قوم سے لڑنے کے لئے) بھیجا (خلاف عادت) یہ لشکر ایک بڑی مقدار میں مال غنیمت لیکر بہت جلد (مظفر ومنصور) واپس آگیا ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ (فداہ ابی وامی) ہم نے تو اس سے پہلے کوئی لشکر اتنی کثیر مقدار میں مال غنیمت لیکر اتنی جلد واپس ہوتا ہوا نہیں دیکھا حضور نے ارشاد فرمایا کہ (یہ کیا ہیں) ہم تمہیں اس سے زائد مال غنیمت لیکر ان سے بھی جلد (فارغ ہوکر لوٹ آنے والا شخص بتلائیں (دیکھو) جو آدمی وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے اور پھر مسجد جائے اول اشراق کی نماز پڑہے اور پھر چاشت کی (اور پھر واپس آجائے) تو یہ شخص بہت جلد اور عظیم الشان مال غنیمت (ثواب) لیکر واپس (گھر) آئے گا۔

۳۰۰

ف: نماز اشراق اسکو کہتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد اُسی جگہ بیٹھا رہے اور ذکر وشغل میں مشغول رہے حتی کہ جب آفتاب بلند ہوجائے تو دو رکعت نماز نفل پڑہکر اُٹھے نماز چاشت اسکے کچھ دیر بعد پڑہی جاتی ہے نیز اس میں اسی جگہ بیٹھا رہنا بھی ضروری نہیں۔ اس حدیث کو ابو یعلی نے برجال صحیح روایت کیا نیز بزار نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی روایت کیا اور بزار نے بیان کیا کہ یہ سوال کرنیوالے شخص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ترمذی نے اس حدیث کو اپنی جامع ترمذی کی کتاب الدعوات میں بروایت عمر بن الخطابؓ روایت کیا

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدائے عز وجل ارشاد فرماتے ہیں اے ابن آدم! تو دن کے ابتدائی حصہ میں (صرف) چار رکعتوں کا ذمہ دار (پابند) بنجا تو میں تیرے لئے انکے بدلے میں تمام دن کی خطاؤں کے معاف کرنے) کا ذمہ دار بنتا ہوں امام احمد وابو یعلی نے روایت کیا۔

حضرت ابو درداء وابو ذر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت فرمایا کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہین اے اولاد آدم! اگر تو میرے لئے چار رکعتیں دن نکلتے وقت (یعنے آفتاب چڑھتے وقت) نہ چھوڑے گا تو مین تجھے دن بھر (کی خطاؤن کے معاف کرنے) کے لئے کافی ہون اسکو ترمذی نے روایت کیا اور حسن غریب کہا ہے حافظ فرماتے ہیں کہ اسکی روایت میں اسمٰعیل بن عیاش ہے مگر یہ سند شان ہے نیز اسکو امام احمد نے ابی درداء سے بروایت ثقات نقل کیا ہے اور ابو درداء نے بروایت نعیم بن ہمار نقل کیا ہے۔

حضرت ابو مرة طائفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مین نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے ابن آدم! تو میرے لئے دن چڑھتے وقت چار رکعت پڑھ لیا کر تو میں تیرے لئے دن بھر کیلئے کافی ہون اسکو امام احمد نے برواة معتمد علیہ فی الصحیح نقل کیا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کرکے فرض نماز پڑھنے کے ارادہ سے چلے تو اسکا ثواب حج کے لئے احرام باندھ (کر جا) نیوالے کے برابر ہے اور جو چاشت کے لئے چلے بشرطیکہ اسی نماز کے ارادہ سے اٹھے (اور گھر سے چلے) تو اسکا ثواب عمرہ (کے لئے احرام باندھکر جانے) والے کے برابر ہے اور (پابندی سے) ایک نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا بشرطیکہ درمیان میں بیہودہ کام اور باتیں نہ ہوں (اتنا اچھا عمل ہے کہ) علّیین میں لکھا جاتا ہے۔ ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کیا اس سے قبل بھی یہ حدیث آچکی ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاشت کی (صرف) دو رکعتیں پڑھ لیا کرے تو وہ غافلون مین نہیں لکھا جائیگا اور جو چار رکعت پڑھ لے تو وہ تو عبادت کرنیوالون میں شمار ہوگا او جو چھ پڑھ لے تو (بس اسکے لئے تو) دن بھر کو یہ کافی ہیں اور اگر آٹھ رکعتیں پڑھ لے تو (اتنا بڑا مرتبہ ملتا ہے) کہ اللہ تعالےٰ اسکو قانتین میں لکھدیتے ہیں اور جو بارہ پڑھ لے تو اسکے لئے تو اللہ پاک جنت میں ایک محل ہی تیار کردیتے ہیں (جن مین وہ ہمیشہ رہے گا) اور (یاد رکھو) کوئی دن ورات ایسے نہیں

۳۰۱

(جاتے) جن میں اللہ پاک کے اپنے بندوں پر احسانات نہ ہوتے رہتے ہوں اور (یہ بھی یاد رکھو کہ) اللہ تعالےٰ کا کسی بندہ پر اس سے بڑھکر فضل احسان واکرام نہیں کہ وہ اسکے قلب میں اپنے ذکر (کی تڑپ اور شوق) کا القاء فرماتا ہے۔

ف۔ نماز چاشت کم ازکم دو رکعت اور زائد سے زائد بارہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایات ثابت ہیں جسقدر موقعہ اور فرصت ملی پڑھ لیں۔ اور یہی اصل ہے کوئی تحدید نہیں۔

اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں ثقہ راویوں کی روایت سے نقل کیا اور موسی بن یعقوب زمعی میں اختلاف ہے۔ اس شخص نے متعدد صحابہ سے مختلف طریق کے ساتھ احادیث روایت کی ہیں میرے علم میں یہ اسکی بہترین اسانید میں سے ہے بزار نے بطریق حسین بن عطاء عن زید بن اسلم حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے میرے چچا! کچھ وصیت فرمایئے۔ فرمانے لگے تم نے مجھ سے (اسوقت) ایسے ہی سوال کیا ہے جیسے میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو اسپر آپ نے فرمایا تھا کہ اگر چاشت کی دو رکعت آئندہ تمام سابق حدیث نقل کی پھر بزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوعاً اس طریق سے ہمیں معلوم ہے۔ ۳۰۲

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسوقت سورج مشرق سے اسقدر بلند ہوجائے جتنا کہ عصر کی نماز کے وقت مغرب کیجانب بلند ہوتا ہے اسوقت کوئی شخص دو رکعتیں پڑھے یعنے چار سجدے کرے تو اسکو دن بھر کا ثواب ملے گا اور میرا خیال ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اسکی خطاؤں اور گناہوں کا بدلہ (کفارہ کردیا جائے گا اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اسی دن مرگیا تو (ضرور) جنت میں داخل ہوگا۔ اسکو طبرانی نے لبسند مقارب روایت کیا اور اس روایت میں کوئی آدمی متروک الحدیث اور متفقہ طور پر ضعیف نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چاشت کی نماز کی پابندی وہی شخص کرتا ہے جسکا دھیان (ہر وقت) خدا

کی طرف لگا رہتا ہے اور یہ نماز بھی صلواۃ الاوابین (خدا سے دہیان لگائے رہنے والونکی نماز) ہے اسکو طبرانی نے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اس حدیث کے اتصال میں کلام ہے دوسرے طرق سے مرسل آئی ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کی ترغیب

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے فرمایا کہ اے میرے چچا! کیا میں آپ کو (ایک گرانقدر چیز) نہ دون؟ کیا میں آپ کو (ایک مفید تر عمل) نہ عطا کردن؟ کیا مین آپ کو (ایک بیش بہا ثواب کا خزانہ) نہ بخشون؟ کیا مین آپ کو وہ عمل نہ تبلاؤن (جسکی تاثیر یہ ہے) کہ جب آپ اسکو کر لیا کرین تو آپ دس خصلتوں (گناہون) کے اثر سے بچ جائیں (یعنے) اللہ تعالے اسکے بدلے مین آپ کے اگلے پچھلے، نئے پرانے، قصداً (کئے ہوئے) بلا قصد (کئے ہوئے)، چھوٹے بڑے، ظاہر و پوشیدہ (یہ دس قسم کے گناہ) معاف کردین (وہ عمل یہ ہے کہ) آپ چار رکعتیں پڑہین (اسطرح کہ) ہر رکعت مین الحمد شریف اور سورۃ کے بعد پندرہ مرتبہ کھڑے کھڑے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑہیں اور اسکے بعد رکوع کرین اور رکوع کی حالت میں دس مرتبہ (یہی تسبیح) پڑہیں پھر رکوع سے اٹھکر (کھڑے ہوئے) دس مرتبہ پڑہیں پھر سجدہ میں جائیں اور سجدہ کی حالت میں دس مرتبہ پڑہین پھر سجدہ سے اُٹھکر (بیٹھے ہوئے بھی) دس مرتبہ پڑہیں پھر دوسرے سجدہ میں دس مرتبہ پڑہیں پھر سجدہ سے اٹھکر بھی (دس مرتبہ (بیٹھے بیٹھے) پڑہیں (ہر موقعہ پر اذکار مقررہ کے بعد یہ تسبیحات پڑہنی چاہئیں) یہ کل ایک رکعت مین پینتیس ۷۵ مرتبہ ہوئیں اسیطرح چار رکعتیں پڑہیں اگر ممکن ہو تو ہر روز ایک مرتبہ پڑہیں اور اگر ہر روز نہ ہوسکے تو ہر جمعہ کو اور اگر ہر جمعہ کو نہ ہوسکے تو ہر ماہ میں اور اگر ہر ماہ میں بھی نہ ہوسکے تو ہر سال میں اور اگر ہر سال میں بھی نہ ہوسکے تو (کم از کم) عمر بھر میں تو ایک مرتبہ ضرور ہی پڑھ لیجئے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ طبرانی نے اسکو روایت کیا اور آخر مین چند لفظ زائد کئے

جنکا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تمہارے گناہ دریا کے جھاگون یا عالج کے ریت کے ذرون کے برابر ہونگے تو اللہ تعالےٰ معاف کر دینگے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ ابو داؤد نے نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور کہا کہ اگرچہ حدیث صحیح ہے مگر اسکی سند میں کچھ کلام ضرور ہے اسکو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایت عکرمہ سے مرسلاً بلا ذکر ابن عباس بطریق ابراہیم بن الحکم بن ابان عن عکرمہ آئی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا (جیسا کہ گذرا) نیز اسکے علاوہ متعدد طرق سے صحابہ کی ایک جماعت سے یہ حدیث صلوٰۃ التسبیح کے باب میں مروی ہے سب سے بہتر روایت یہ عکرمہ کی ہے محدثین کی ایک جماعت نے اسکی تصحیح کی ہے منجملہ انکے حافظ ابو بکر اجری شیخ ابو محمد عبد الرحیم مصری شیخ حافظ ابو الحسن مقدسی رحمہم اللہ بھی ہیں اور ابو بکر بن ابو داؤد کہتے ہین کہ میں نے اپنے والد سے سُنا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کے باب میں اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث صحیح نہیں مسلم بن حجاج رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہین کہ اس حدیث کی اس سند (عکرمہ عن ابن عباس) احسن اور کوئی سند نہین حاکم فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی صحیح روایت موجود ہے کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت جعفر کو یہ نماز (صلوٰۃ التسبیح) سکھلائی اور اسکے بعد سند نقل کی حدثنا احمد بن داؤد عیصر ثنا اسحٰق بن کامل ثنا ادریس بن یحیٰی عن حیوۃ بن شریح عن یزید بن ابی حبیب عن نافع عن ابن عمر الحدیث۔ ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو ممالک حبشہ کی طرف بہیجا تھا جب وہ واپس ہو کر آئے تو آپ نے انسے معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیکر مذکورہ بالا نماز مثل حضرت عباس کے ان کو تعلیم فرمائی۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ ایسی صحیح سند ہے جسپر کچھ غبار نہیں الخ

ف۔ صلوٰۃ التسبیح حضرات صحابہ سے متعدد طرق پر ثابت ہے صلحاء اور علماء امت کی معمول بہا رہی ہے زمانہ صحابہ اور تابعین سے مشہور چلی آئی ہے حضرات صوفیہ خصوصیت سے اسکی وصیت فرماتے ہیں۔ محدثین کے ایک زبردست طبقہ نے اسکی تصحیح کی ہے شیخ ابن حجر نے اسکی تصحیح میں مبالغہ سے کام لیا ہے (اشعۃ اللمعات) بہرحال سند کے اعتبار سے بھی حدیث حسن کے مرتبہ سے کسیطرح کم نہیں (کما قال الشیخ الکشمیری) اسکی فضیلت خود الفاظ

۳۰۴

حدیث اس اعلے پیمانہ پر ثابت کر رہے ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ ہمارے حضرات طریقہ میں کچھ
تھوڑا سا خلاف کرتے ہیں اور عبد اللہ بن مبارک کی روایت کے بموجب الحمد شریف سے
قبل ثنا کے بعد پندرہ مرتبہ اور بعد الحمد شریف اور سورۃ کے دس مرتبہ اسطرح اس جگہ
تو زیادتی کرتے ہیں اور سجدہ ثانیہ کے بعد جو مذکورہ بالا حدیث میں دس مرتبہ ہے اسکو
وہاں سے کم کرتے ہیں اصل مقدار مساوی ہے ہر دو طریق میں سے جسپر عمل کیا جائے
بہتر ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام سلیم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ حضور مجھے کچھ کلمات (بطریق دعا نفل) نماز میں پڑھنے
کے لئے بتلائیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمد للہ، دس دس مرتبہ
پڑھکر جو چاہو خدا سے مانگو اللہ تعالے قبول فرماتے چلے جائینگے۔

ف۔ یہ حدیث پہلی طویل حدیث کے خلاصہ اور اختصار کے طور پر وارد ہے۔
تفصیل وہی ہے جو پہلے آچکی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے اور ترمذی نے روایت کیا
اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے نیز نسائی نے اور ابن حبان و ابن خزیمہ نے اپنی اپنی
صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا۔ اور کہا کہ علی شرط المسلم صحیح ہے۔

۳۰۵

نماز توبہ کی ترغیب

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلے اللہ
علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ جس کسی شخص سے کوئی گناہ ہو جائے اور پھر وہ
فوراً وضو کر کے نماز پڑھے (دو رکعت) اور خداوند تعالے سے اپنے گناہوں کی مغفرت
چاہے تو اللہ پاک اسکے گناہ ضرور معاف فرما دیتے ہیں۔ اسپر آپ نے (بطریق تائید)
یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ
فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ۔ ترجمہ۔ (خدا سے ڈرنے والے)
وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی فحش گناہ (کبیرہ) کر بیٹھتے ہیں یا کوئی (صغیرہ) گناہ کر کے اپنی جانوں پر

ظلم کر لیتے ہیں تو (فوراً) خدا (کے عذاب) کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور سوائے خدا کے ہے بھی کون جو گناہوں کو معاف کر دے۔ (لہذا خدا کے بندے اُسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور وہ معاف بھی کر دیتا ہے)

ف۔ یہ نماز توبہ صلوٰۃ الاستغفار ہے انتہیا۔ امت کا اسپر عمل رہا ہے صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے پھر دو رکعت پڑہی جائیں۔ پہلی رکعت میں قل یا اور دوسری میں قل ہو اللہ پڑھی جاوے اور بعد نماز توبہ کیجائے اور ترک معاصی کا عزم بالجزم ہو حقوق العباد اگر واجب ہوں تو ادا کئے جائیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور تحسین کی نیز ابو داؤد ابن ماجہ نسائی نے بھی روایت کیا اور ابن حبان وبیہقی نے نماز کی دو رکعتیں روایت کیں۔ ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو رکعتین کی تعیین کے ساتھ بغیر اسناد کے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی خدا کا بندہ کوئی گناہ کر بیٹھے پھر فوراً ہی وہ اچھی طرح وضو کر کے کسی کھلے ہوئے (تنہائی کے) میدان میں چلا جائے اور دو رکعتیں نماز کی (دل لگا کر) پڑھے اور پھر خدا سے اپنے اس گناہ کی مغفرت چاہے (اور توبہ کرے) تو اللہ پاک ضرور اسکے گناہ کو معاف فرما دیتے ہیں۔ بیہقی نے اسکو مرسلاً روایت کیا۔

۳۰

حضرت عبداللہ بن بریدۃ اپنے والد (بریدۃ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز صبح ہوتے ہی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اے بلال کس طرح تم مجھسے آگے آگے جنت میں پہونچگئے تھے؟ میں جو کل شب کو جنت میں گیا تو مین نے تمہارے قدموں کی آہٹ اپنے آگے آگے سُنی؟ عرض کیا یا رسول اللہ (اور تو کچھ نہیں صرف اتنی بات ہے) کہ جب مجھسے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو میں فوراً دو رکعت نماز (توبہ) پڑھ لیتا ہوں، اور جب بے وضو ہو جاتا ہوں تو فوراً وضو کر لیتا ہوں اور اسوقت بھی دو رکعت (تحیۃ الوضو) پڑھ لیتا ہوں۔

ف۔ یہ وضو کے بعد کی دو رکعتیں تحیۃ الوضو کہلاتی ہیں یہ بھی مستحبات میں سے ہیں۔

(باقی آئندہ)

سلسلہ تسہیل المواعظ کی جلد دوم کا دوسرا وعظ

مسمےٰ بہ

معاصی کا ترک

منتخب از ترک المعاصی وعظ دہم دعوات عبدیت

حصہ سوم

۱۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ ماثورہ۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَذَرُوْا ظَاہِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۝ **ترجمہ** اور چھوڑو تم ظاہری گناہ اور باطنی گناہ۔ بیشک جو لوگ کہ گناہ کرتے ہیں سزا دیئے جائینگے۔ بسبب ان کامون کے جنکو وہ اختیار کرتے ہیں۔

اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں۔

(۱) یہ ایک مختصری آیت ہے اسمیں خدا تعالےٰ نے اپنے ایمان والے بندونکو ایک بڑی بھاری نقصان کی چیز سے بچایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی رحمت اپنے بندوں پر کسقدر ہے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ محتاج نہیں ہیں خدا تعالےٰ کا کوئی کام بندوں کی درستی پر موقوف نہیں ہے انکی بادشاہی ایسی نہیں ہے جیسی دنیا کے بادشاہوں کی ہے کہ اگر رعایا تابعدار و فرمانبردار رہے تو وہ بادشاہ ہیں اور اگر رعایا بگڑ جائے

تو بادشاہت کچھ بھی نہیں۔ دنیا کے بادشاہوں کی سلطنت کا سب دار و مدار رعایا کی تابعداری پر ہے اسلئے اگر کوئی دنیا کا بادشاہ رعایا کو کچھ مصلحت کی بات بتلائے تو اسمیں یہ بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ اپنی مصلحت کے لئے بتلا رہا ہے تاکہ بغاوت نہ ہو رعایا بگڑ نہ جائے ہمارے ملک میں کمزوری نہ آجائے لیکن خدا تعالےٰ کی وہ سلطنت ہے کہ اگر سب کے سب ملکر بھی بغاوت کریں اور اس سے پھر جاویں تو اسکی سلطنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی تو اس حالت میں اگر خدائے تعالےٰ کوئی بات مصلحت کی بتلائینگے تو وہ بالکل ہماری ہی مصلحت کیلئے ہوگی۔ اسمیں یہ شبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اپنے نفع کے لئے بتلایا ہوگا بس اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی کہ بلا غرض کے نفع پہنچاتے ہیں دنیا میں اگر کوئی کسیکو نفع پہنچاتا ہے تو اس میں اپنا نفع بھی مقصود ہوتا ہے جیسے دنیا کے بادشاہوں کی حالت بیان ہوئی۔ اور بعضے نفع پہنچانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ نفع پہنچانے میں انکی کوئی ظاہری مصلحت نہیں معلوم ہوتی لیکن اگر غور کرکے دیکھا جائے تو اس میں بھی انکی کوئی غرض چھپی ہوئی ہوتی ہے جیسے حکیم کا نسخہ لکھدینا اس میں انکی یہ مصلحت ہوتی ہے کہ اس شخص سے ہم کو مال حاصل ہوگا۔ یا اسکے ذریعہ سے ہماری شہرت ہوگی اور اگر کچھ بھی توقع نہ ہو اور کوئی بہت ہی بڑا دیندار ہو تو کم سے کم اس حکیم کو ثواب کی توقع تو ضروری ہوگی اور یہ بہت ہی بڑی غرض ہے کہ اور ساری غرضیں اسکے سامنے گرد ہیں اگرچہ یہ غرض بری نہیں بلکہ ضروری ہے لیکن غرض تو ہے اور غرض بھی بہت بڑی کیونکہ ثواب کی نیت رکھنے والیکو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے بے غرض نفع پہنچایا اور اگر کوئی شخص ایسا رحمدل ہے کہ اسکی نیت ثواب کی بھی نہ ہو جیسے ماں باپ کا اپنی اولاد کو پالنا کہ اسمیں انکی نیت ثواب کی بھی نہیں ہوتی چاہے اسکا ثواب بھی ملجائے مگر اسکی نیت نہیں ہوتی اسیطرح حکیم کا اپنے بچہ کو دوا پلانا کہ اسمیں بھی ثواب کی نیت نہیں ہوتی مگر پھر بھی غرض سے خالی نہیں کم از کم اپنے نفس کو آرام پہنچانا تو ضرور مقصود ہوتا ہے یعنی بچہ کی تکلیف دیکھکر جو اپنے کو تکلیف ہوتی ہے علاج کرنے سے اپنی اس تکلیف کا دفع کرنا اور اپنے نفس کو چین اور آرام دینا مقصود ہے اسیطرح اگر کسی اجنبی کے ساتھ رحمدلی کی وجہ سے ہمدردی کی تو وہاں بھی اپنی اس تکلیف کو دفع کرنا مقصود ہے جو کہ اپنے ہمجنس کو جو کہ تکلیف میں دیکھنے سے ہوتی ہے غرض کوئی سمجھدار سیکڑوں

خدا تعالےٰ کا نفع پہنچانا بلا غرض ہے
اور مخلوق کا نفع پہنچانا غرض سے ہے

۱۸

برس تک بھی سوچے تو وہ ایسی مثال نہیں بتلا سکتا جس میں کسی شخص نے دوسرے کو بلا اپنی کسی غرض کے نفع پہونچایا ہو سوا رخدا تعالےٰ کے کہ انکو کسی کی احتیاج نہیں نہ مال کی ضرورت نہ شہرت کی نہ مثل ماں باپ کے وہاں طبیعت کا جوش ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کے یہ معنی نہیں کہ انکو جوش ہوتا ہے جیسے ماں باپ کو بلکہ وہ مہربانی صرف اپنے ارادہ سے کرتے ہیں نہ طبیعت کے جوش سے مجبور ہو کر اور جب ایسا ہے تو وہاں یہ نفع بھی مقصود نہیں کہ مخلوق کو نفع پہونچانے سے ہماری طبیعت کا جوش پورا ہو جاویگا اور اس سے ہم کو آرام پہونچے گا پس وہ جو ہمارے حال پر شفقت کرینگے تو بالکل بے غرض شفقت ہوگی اور وہ ہر طرح بے احتیاج ہیں اور ہم ہر طرح محتاج ہیں اب دیکھیے اگر دُنیا میں کوئی شخص دوسرے کا محتاج ہو اور دوسرے کو اس شخص کی حاجت بالکل نہ ہو تو حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسرا شخص اپنی احتیاج نہ ہونے کی وجہ سے اس حاجتمند کو منہ بھی نہیں لگایا کرتا اور حاجتمند اسکے پیچھے پیچھے پھرا کرتا ہے تو چاہیئے تھا کہ خدا تعالےٰ بھی اپنے بے احتیاج ہونیکی وجہ سے اور مخلوق کے محتاج ہونیکی وجہ سے اسطرح ہمارے ساتھ معاملہ کرتے اور وہ بھی ہم پر توجہ نہ کرتے کیونکہ خدا کی شان ایسی بے پرواہ ہے کہ کسی کی حاجت انکو نہیں مگر پھر اتنی بڑی رحمت ہے کہ ہم کو تکلیف دینے والی چیزوں سے خبردار کرتے ہیں نقصان سے بچنے کی تدبیریں بتلاتے ہیں اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی چنانچہ اس آیت میں بھی ایک بڑی رحمت ہم پر کیگئی ہے کہ ہمکو ہماری ایک ضرورت پر خبردار کیا ہے جس سے ہم کو اسکی رحمت کا احسان ماننا چاہیئے کیونکہ شریف طبیعت والوں کا قاعدہ ہے کہ جسقدر کسیکی عنایت اپنے اوپر دیکھتے ہیں اسیقدر اسکے سامنے پگھل جاتے ہیں چنانچہ مشہور کہاوت ہے کہ الانسان عبد الاحسان یعنی آدمی احسان کا غلام ہے مگر عجب بات ہے کہ خدا تعالےٰ کی رحمت کو سُنکر ہماری سرکشی اور مخالفت اور زیادہ بڑھتی ہے اور لوگ اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ رحمت اور بخشش کی آیتوں کو سُنکر اور زیادہ تابعداری کرتے اور گناہوں پر دلیری نہ کرتے کیونکہ رحمت اور بخشش کی آیتیں اسلئے نہیں فرمائی گئیں کہ سب بے فکر ہو جائیں بلکہ سبب اسکا یہ ہے جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو تمام جہان جہالت سے بھرا ہوا تھا جب حضورؐ نے نجات کا طریقہ تبلایا

19

تو سمجھدار لوگون نے اسکو سمجھا اور مانا لیکن انکو یہ شبہ ہوا (جسکو بعض نے خود آکر بیان بھی کیا) کہ ہماری تمام عمر تو گناہوں میں گذری اب توبہ کر لینے اور تابعداری کرنے سے وہ گناہ کیونکر دُھل جائینگے اور ان کا اثر کیسے جاتا رہیگا تو پھر باپ دادا کے مذہب کو بھی کیوں چھوڑا کیونکہ اسکے چھوڑنے سے کچھ گناہ تو معاف ہو نہ جائینگے پھر مذہب چھوڑنا بیکار ہے تو ان لوگوں کو یہ شبہ ہوا اور اس شبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگون نے خدا تعالےٰ کے معاملہ کو دُنیا والون کے معاملہ کیطرح سمجھا جیسے کوئی شخص اگر کسی کے باپ کو قتل کر دے اور پھر بیٹے سے معاف کرائے تو گو وہ معاف کر دے مگر دل کا میل نہیں جا سکتا۔ تو انھوں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے خدا تعالےٰ کی نسبت بھی یہی سمجھا کہ وہ بھی ہمارے پچھلے گناہ معاف نہ کرینگے اور اگر معاف بھی کر دیئے تو خوش تو ہرگز نہ ہونگے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی رحمت انکو معلوم نہ تھی وہ خدا کو اچھی طرح پہچانتے نہ تھے اور یہی وجہ تھی ان کے شرک میں پھنس جانے کی کہ وہ یون سمجھتے تھے کہ خدا تعالےٰ بھی دنیا کے بادشاہون کی طرح ہونگے کہ جس طرح دنیا کے بادشاہ اکیلے سلطنت کے کام کو نہیں سنبھال سکتے بلکہ ہر ہر کام کا ایک عملہ الگ ہوتا ہے اور ہر ہر کام کیلئے جُدا جُدا لوگ مقرر ہوتے ہیں ایسے ہی وہ سمجھے کہ خدا تو ایک ہے وہ دُنیا کے سارے کام کیسے کریگا یہ سمجھکر ان لوگون نے ایک عملہ گھڑا اور خدا تعالےٰ کے کچھ نائب مقرر کر لئے کہ چھوٹے چھوٹے کام انسے نکالینگے اور بڑے بڑے کام خدا تعالےٰ سے چنانچہ ان کے اس خیال کو قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے وَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ یعنی جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص خدا تعالےٰ ہی کو پکارتے ہیں (بتوں کو نہیں پکارتے کیونکہ جانتے ہیں کہ دریا کی مصیبتوں کو سوائے خدا کے کوئی دفع نہیں کر سکتا) اور وہ لوگ خود بھی اس خیال کو ظاہر کیا کرتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا کہ سات ہیں ایک آسمان میں اور چھ زمین میں آپ نے پوچھا بڑے کامون کے لئے کس کو رکھا ہے اس نے کہا کہ آسمان والے کو۔ غرض وہ لوگ چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالےٰ ایسے ہی ہیں جیسے دُنیا کے بادشاہ۔ اور ان کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا دنیا والون کا اس لئے ان کو یہ شبہ ہوا کہ خدا تعالےٰ ہمارے گناہ کسی طرح معاف نہ کرینگے۔

۲۰

گو ہم مسلمان ہی ہوجائیں اور یہی شبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ظاہر کیا
کہ اگر ہم مسلمان ہوجائیں تو ہمارے پچھلے گناہ کیسے معاف ہوں گے۔ اور اگر وہ معاف نہ ہوئے
تو مسلمان ہونے سے فائدہ ہی کیا اسپر آیت نازل ہوئی کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم
میرے بندوں سے کہدیجئے کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں وہ سب گناہ معاف کر دیگا
تم توبہ کرلو۔ توبہ میں خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ گو
ہر گناہ کی معافی کا قاعدہ الگ الگ ہے (جو کہ دینی کتابوں میں پوری طرح بیان کیا گیا ہے)
پس رحمت کی آیتوں سے مقصود یہ ہوا کہ جو لوگ پچھلے گناہوں سے گھبرا گئے ہیں ان کی
تسلی اور تسکین ہو نہ یہ کہ سب کو اگلے گناہوں پر دلیر کر دیا جائے۔ غرض رحمت کے ذکر
سے اور زیادہ تابعدار ہونا چاہیئے۔ لوگوں نے صرف اس آیت کو رحمت کی آیت سمجھ رکھا
ہے جس میں ناامیدی سے منع کیا گیا ہے حالانکہ قرآن کی ہر آیت میں رحمت ہی رحمت
ہے چنانچہ اس آیت سے بھی ایک بڑی رحمت ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہم کو
ایک تکلیف کی چیز سے بچنے کا حکم دیا ہے پس ہم کو چاہیئے کہ اس رحمت کو دیکھکر اور زیادہ
تابعدار ہوجائیں اور اس تکلیف سے بچنے کی کوشش کریں۔ اب سمجھئے کہ وہ تکلیف کی چیز
کیا ہے سو وہ آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہوجائے گی۔ ترجمہ یہ ہے کہ اے مسلمانو
چھوڑ دو ظاہر گناہ کو اور باطن گناہ کو یعنی ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا
کہ وہ تکلیف کی چیز گناہ ہے رہا یہ شبہ کہ ہم کو تو گناہ کرنے سے کوئی تکلیف نہیں معلوم
ہوتی نہ کبھی کوئی سزا ہوتی ہے تو سمجھیئے کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ
اُنھیں کسی قسم کی تکلیف کا پتہ ہی نہیں لگتا اُنکے حواس ہی بگڑے ہوئے ہیں تو اُن
کے لئے تو یہ جواب ہے کہ خدا اور رسول کے کلام میں دیکھ لو کہ گناہ سے آخرت میں
کیا کیا سزائیں ملیں گی چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان الذین یکسبون الاثم سیجزون
بما کانوا یقترفون۔ یعنی جو لوگ گناہ کرتے ہیں اُن کو آخرت میں بہت جلد سزا ہوگی
تو کیا یہ سزا کوئی معمولی تکلیف ہے ہرگز نہیں۔ دیکھئے اگر دنیا کی کوئی سزا آپ کی
سمجھ میں آجاتی کہ گناہ سے دنیا میں یہ تکلیف پہنچے گی مثلاً وبا اور طاعون پھیلے گا۔

تو اسکو آپ بھی تکلیف سمجھتے اور گناہ سے ڈر جاتے تو آخرت کی سزا تو اس سے بہت زیادہ ہے کیونکہ دُنیا کی تکلیف میں اور آخرت کی تکلیف میں فرق یہ ہے کہ دُنیا کی کیسی ہی تکلیف ہو اُس میں نفع بھی ضرور ہوتا ہے۔ دیکھیے اگر سر میں درد ہے تو یہ کتنی بڑی بات ہے کہ پیٹ میں نہیں۔ اگر مال جاتا رہا تو یہ کتنا بڑا نفع ہے کہ آبرو نہیں گئی اور ساتھ میں یہ بھی ہے کہ ایک درد کے دس درد مند ہیں باپ بیٹے یار دوست وغیرہ تو کیا اس سے تسلی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے اور اس سے دُکھ درد بہت ہلکا ہوجاتا ہے پس دُنیا میں ہر تکلیف کے ساتھ ایک نفع بھی ضرور ہوتا ہے اور ایک بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ آدمی دُنیا میں اُسی تکلیف کے اندر اور بہت سے لوگوں کو مبتلا دیکھتا ہے اور آدمی کی طبیعت اس قسم کی ہے کہ اپنے ہمجنسوں کے ساتھ بعض وقت درد اور تکلیف میں بھی اسے لذت معلوم ہوتی ہے۔ مرگ انبوہ جشنے دارد۔ کہ بہت سے آدمیوں کے ساتھ مرنا بھی تماشا ہے چنانچہ لڑائی اور دنگے فساد میں چوٹ لگنے اور مرنے سے خوف نہیں ہوتا کیونکہ اس مصیبت میں بہت سے بھائی شریک ہیں پھر بعض وقت اُس تکلیف کے دُور کرنے کی تدبیریں بھی کر سکتے ہیں اور اُن تدبیروں سے اگر بالکل آرام نہیں ہوتا تو بعض وقت کسیقدر چین ہی پڑ جاتا ہے کہ اگر تکلیف کی شدت بھی ہوتی ہے تو اتنی جسکی سہار ہو سکے ورنہ ایسی حالت میں نیند کبھی نہ آتی۔ تکلیف میں نیند کا آنا چین کی علامت ہے اور اکثر اوقات باتوں میں بھی دل بٹ جاتا ہے غرض دنیا کی تکلیف کی تو یہ حالت ہے۔ اب آخرت کے عذاب کو دیکھئے کہ اُس میں راحت کا نام ہی نہیں سر سے پاؤں تک تکلیف ہی تکلیف ہوگی کہ نہ سر کو چین نہ پیر کو نہ ہاتھ کو ایک شخص جسکو سب سے کم عذاب ہوگا اسکی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اُسکو آگ کی جوتیاں پہنادی جائیں گی مگر تکلیف کی یہ حالت ہوگی کہ اُسکا سر مثل دیگ کے پکتا ہوگا اور وہ یہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کوئی عذاب میں نہیں۔ صاحبو یہ تکلیف کیا کچھ کم ہے اور اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو تو امتحان کے لئے اپنی انگلی آگ کے اندر رکھکر دیکھ لیجئے اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ اُس عذاب کی کیا حالت ہوگی جو دُنیا کی آگ سے ستر درجہ زیادہ ہے کیونکہ جب اس آگ میں ایک منٹ بھی انگلی نہیں رکھی جاسکتی تو اُس آگ کی برسوں تک کیسے برداشت ہوگی بلکہ اگر تھوڑی ہی مدت تک مثلاً ایک ہی دن کی اُسمیں

دنیا کی تکلیف خواہ کتنی ہی بڑی ہو

۲۲

قید ہو گئی تو اسکی بھی برداشت کیسے ہو گی خاصکر جبکہ وہ ایک دن بھی ہزار برس کے برابر ہو جیسا کہ آیت مین بیان کیا گیا ہے اسپر شاید لوگون کو تعجب ہو بلکہ عجب نہیں کہ نئی تعلیم پائے ہوئے نوجوانون کو اسپر ہنسی آئے کہ ایک دن ہزار برس کا کیسا ہو گا لیکن واقع مین یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں دیکھو دُنیا مین بھی عرض تسعین مین چھ مہینہ کا ایک دن ہوتا ہے تو جبکہ دُنیا میں اتنا بڑا دن موجود ہے تو اگر اُس عالم کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہو تو کیا تعجب ہے کیونکہ عرض تسعین تو اسی جہان میں ہے پھر بھی یہان وہان میں اتنا بڑا فرق ہے اور آخرت کا تو جہان ہی دوسرا ہے وہان اگر اس سے زیادہ فرق ہو جائے تو تعجب کیا ہے تو اگر وہان ایک دن کی بھی سزا ہو گئی تو یہاں کے ہزار برس کی سزا کے برابر ہے اور شدت و سختی میں اس سے بھی زیادہ۔ دوسرے دنیا میں یہ راحت بھی کہ ہمدرد و غمخوار موجود تھے۔ وہان یہ حالت ہو گی کہ کوئی بھی نہ پوچھے گا پھر یہ کہ یہان تو دوسرے کو اپنے سے زیادہ تکلیف میں دیکھکر تسلی بھی کر لیتا ہے اور وہان ہر شخص کو یہ خیال ہو گا کہ مجھ سے زیادہ کوئی تکلیف مین نہیں اور اگر خدا نخواستہ ہمیشہ کا عذاب ہوا تو غضب ہی ہے کیونکہ وہان کبھی موت بھی نہ آئے گی بلکہ یہ حالت ہو گی کہ جب پہلی کھال گلکر خراب ہو جاوے گی فوراً نئی کھال بدل دی جاویگی تاکہ عذاب کا مزہ چکھین۔ تو مسلمانون پر تعجب ہے کہ دُنیا کی اتنی ہلکی تکلیف کو تو تکلیف سمجھے اور اتنی بڑی تکلیف پر نظر نہ کرے یہ جواب تو اُن لوگون کے لئے تھا جنکی سمجھ ٹھیک نہیں کہ اُن کو گناہ کی وجہ سے دُنیا مین کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی بلکہ گناہ کر کے مزا آتا ہے تو وہ آخرت کی تکلیفین یاد کر کے گناہ سے ڈرین۔ اور سمجھ کے درست نہ رہنے کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ گناہ کا یہ بھی خاصہ ہے کہ انسان کی سمجھ اور طبیعت کی سلامتی اس سے بالکل برباد ہو جاتی ہے لیکن جن لوگون کی سمجھ اور عقل صحیح ہے اُنکے لئے جیسا کہ یہ جواب تھا ایسا ہی ایک جواب اور بھی ہے وہ یہ کہ گناہ سے دُنیا کی تکلیف بھی ہوتی ہے لیکن ہم اپنی بے تمیزی سے اُس تکلیف کو لذت سمجھتے ہین میں ابھی اسکو عرض کرونگا لیکن اول ایک مثال عرض کرتا ہون۔

۴۳

ے زمین کے ایک حصّہ کا نام ہے ۱۲

مشہور ہے کہ غیر ملک کا ایک وحشی آدمی ہندوستان میں آیا تھا اتفاق سے آپ ایک حلوائی
کی دوکان سے گذرے وہاں گرم گرم حلوا رکھا ہوا تھا خوشبو سونگھ کر طبیعت للچائی۔
دام ڈمڑی کچھ پاس نہ تھے آپ نے اُس میں سے ایک دو ہتڑ بھر کر حلوا اٹھا لیا اور کھا گئے
حلوائی نے رپٹ لکھوائی۔ افسر نے چالان کرنا تو مناسب نہ سمجھا بس تنبیہ کے لئے یہ حکم
دیدیا کہ اسکو گدھے پر سوار کریں اور پیچھے پیچھے لڑکے ڈفلی بجاتے ہوئے چلیں اس شکل
سے بازار میں گھما کر شہر بدر کر دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب یہ اپنے ملک کو واپس ہوا
تو لوگوں نے ہندوستان کا حال پوچھا آپ فرماتے ہیں کہ ہندوستان خوب ملک ہے
حلوا کھانا مفت ہے گدھے کی سواری مفت ہے لڑکوں کی فوج مفت ہے ڈم ڈم مفت
ہے۔ ہندوستان خوب ملک ہے تو جیسا اس وحشی نے بے وقوفی سے اس ذلت کے
سامان کو عزت کا سامان سمجھا تھا۔ ایسا ہی ہم بھی اپنی تکلیف کے سامان کو لذت کا سامان
سمجھتے ہیں یہ تو مثال تھی مگر میں مثال پر بس نہ کرونگا بلکہ اسکی حقیقت بتلاتا ہوں۔ غور کیجئے
اور غور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو آپ نے لذت کا سامان سمجھ رکھا ہے کبھی اس سے
گذر کر اسکے دوسرے پہلو پر بھی نظر کیجئے تب آپ کو معلوم ہو کہ یہ ظاہری لذت اصل میں
تکلیف ہے کیونکہ سمجھ کی غلطی کی یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس سامان کے مقابل دوسرے
پہلو کو نہیں دیکھا مشہور قاعدہ ہے کہ ہر چیز کی پہچان اُسکی ضد کو دیکھکر ہوتی ہے دیکھو جو
مینڈک کیچڑ میں رہتا ہو اور اُسی میں پیدا ہوا ہو وہ چونکہ صاف شفاف پانی سے واقف نہیں
اسلئے اُسکے نزدیک وہ سڑا ہوا کیچڑ ہی صاف شفاف پانی ہے لیکن اگر کبھی شفاف پانی
پر اسکا گذر ہو جاتے تو اسکو اُسوقت اس کیچڑ کی حقیقت فوراً معلوم ہو جاویگی اسیطرح ہم نے
چونکہ گندی حالت میں ہوش سنبھالا ہے ہم کو اسکی بُرائی یا اچھائی کی خبر نہیں۔ امتحان
کے لئے یہ کیجئے کہ ایک ہفتہ بھر کے لئے گناہ کو چھوڑ دیجئے اور اپنے دنیوی کاموں کا
کوئی بندوبست کر کے اس زمانہ میں تلاوت اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہیئے اور کسی قسم
کا گناہ اس زمانہ میں نہ کیجئے صرف ایک ہفتہ بھر ایسا کر لیجئے اسکے بعد اپنے دل کو دیکھئے
کہ کیا حالت ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالےٰ آپ اپنے قلب میں بہار اور چین پائینگے

گناہ کی تکلیف اور عبادت کی راحت ۳۴

(باقی آئندہ)

(ح) غرض ایجاد محض اور افنا محض کے نہ ہو سکنے پر اور محال و ممتنع ہونے پر نہ کوئی دلیل موجود ہے نہ کبھی موجود ہوگی ہاں صرف مستفرا ر یعنے تجربہ ہے کہ ہم نے ایسا دیکھا نہیں۔ جسکا نتیجہ صرف استبعاد ہے جسکا حکم یہ ہے کہ اسکو ممتنع اور محال نہین کہہ سکتے اور بلا سچی خبر کے اسکو تسلیم کرنا جائز نہیں۔ لیکن سچی خبر کے بعد بھی اسکو نہ ماننا یہ بھی جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی نہ مانے تو بعینہ ایسا ہوگا جیسے کوئی کلکتہ کے وجود کا باوجود متواتر خبرون کے انکار کئے جاوے اور کہے میری اتنی عمر ہوئی میں نے کبھی کلکتہ نہیں دیکھا میں سو کوس تک پھر آیا مگر کلکتہ کہیں نہیں ملا لہذا اسکا وجود ناممکن ہے صرف تجربہ (استقرار) سے دلیل عقلی نہیں حاصل ہوتی صرف یہ ہوتا ہے کہ بظن غالب ایک بات ثابت ہوجاتی ہے جسکا خلاف ممکن ہی رہتا ہے جسکے متعلق کبھی یہ نہین کہا جا سکتا کہ اگر ہماری قدرت سے باہر ہے تو مطلقاً قدرت سے باہر ہے اور کوئی قادر مطلق ایسا نہین جو اُسکو وجود میں لاسکے بلکہ یہ بھی خیال کرنا صحیح نہیں کہ اگر بعض افراد انسانی کی قدرت سے باہر ہے تو دیگر افراد انسانی کی قدرت سے بھی باہر ہے بلکہ اگر ایک وقت میں تمام افراد انسانی کی قدرت سے بھی باہر ہو تب بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیشہ قدرت انسانی سے باہر رہے گی ممکن ہے کہ کسی وقت قدرت انسانی میں آجاوے۔ گراموفون اور بجلی اسکی زندہ نظیریں موجود ہیں کہ اس زمانہ سے پہلے کبھی افراد انسانی کی قدرت میں نہیں آئی تھیں اگر آجکل کے عقلا (فلاسفر) اب سے ایک ہزار برس پہلے ہوتے اور کسی اور قوم کے ہاتھوں یہ ایجادیں ہوتیں اور اُنکے سامنے یہ کرشمے نقل کئے جاتے تو بالبدیہہ یہی کہہ اٹھتے کہ یہ محال اور ناممکن اور ممتنع باتیں ہیں مگر اب اس زمانہ میں دیکھ لیجئے کہ گلی گلی میں یہ ایجادیں موجود ہین۔ فلسفہ قدیمہ کی وسعت نظر دیکھئے کہ انھون نے اصول ہی یہ نہیں رکھا کہ جس چیز کی ہم نے نظیر نہ دیکھی ہو یا ہماری قدرت سے باہر ہو وہ ناممکن ہے بلکہ انکا اصول یہ ہے کہ جبتک کسی چیز کے محال (ممتنع) ہونے پر دلیل عقلی قطعی قائم نہ ہو وہ ممکن رہتی ہے اگر کبھی کسی وقت میں بھی وجود میں آجاوے تو انکار نہیں کیا جا سکتا اور شریعت اسلامی کی نظر اس سے بھی زیادہ وسیع ہے وہ بہت سی اُن تحقیقات میں بھی غلطیان نکالتی ہے جنکو فلسفہ قدیمہ نے

۱۰۵

(۱) اور حکماء یونانیین بھی اس غلطی میں شریک ہیں مگر اُنکے پاس تو کچھ ٹوٹی پھوٹی دلیل بھی تھی گو اسمیں ایک لفظی تلبیس سے کام لیا گیا ہی چنانچہ ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ میں وہ دلیل بھی مذکور ہے اور احقر نے درایۃ العصمۃ مین اسکا باطل ہونا بھی دکھا دیا ہے اور اہل سائنس متعارف کے پاس اس درجہ کی بھی کوئی دلیل نہیں۔

(ح) بالاتفاق صحیح مانا تھا جیسے خلا کا محال ہونا یا آسمانوں مین خرق والتیام (ٹوٹ پھوٹ) کا محال ہونا وغیرہ وغیرہ (علم کلام کی کتابامین لنسے بھری پڑی ہین یہان طول دینے کا موقع نہین) امام متکلمین زمان حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ نے ایک کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ سوائے اجتماع نقیضین کے کوئی دوسری چیز محال عقل نہیں جس چیز کو بھی ناممکن کہا جاوے اسمین بلا واسطہ یا بواسطہ اجتماع نقیضین لازم آوے تب تو ناممکن ہے ورنہ ممکن ہے۔ اور واقع ہو سکتی ہے بس مختصر معیار کسی چیز کے ہو سکنے یا نہ ہو سکنے کا یہ ہے اور اسکو واقع ہوتے نہ دیکھنا اور تجربہ میں نہ آنا کسیطرح اسکو ناممکن نہیں ثابت کر سکتا۔ خلا کے وجود مین یا آسمان میں ٹوٹ پھوٹ ہونے کو تسلیم کرنے میں اجتماع نقیضین لازم نہیں آتا لہذا یہ محال نہیں الحاصل کسی چیز کو عدم محض سے وجود میں آتے نہ دیکھنا نیز بعد وجود اسکو فانی محض ہوتے نہ دیکھنا اس بات کو نہیں ثابت کر سکتا کہ ایسا ہونا محال اور ناممکن ہے اور یہ محض تنگ خیالی ہے کہ جو بات ہماری قدرت سے باہر ہے وہ مطلقاً قدرت سے باہر ہو اسکے لئے دلیل عقلی کی ضرورت ہے جو اسکا محال ہونا ثابت کرے اور ایسی دلیل نہ آجتک ہوئی ہے نہ ہے نہ ہو سکتی ہے جو دلیل پیش کیجائیگی علماء اسلام پیش کنندہ کے مسلمہ اصول ہی سے اسکا رد کرنیکو تیار ہیں آخر حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔ باطل کو کیسے ہی رنگ آمیز بیان کرکے دلفریب بنایا جائے مگر جب دلیل وحجت کی کسوٹی پر کسا جاویگا دودھ الگ اور پانی الگ ہو جاویگا مصیبت یہ ہے اور اسی بات کی سخت شکایت ہے کہ اہل اسلام ملحدین کی صحبت میں بیٹھتے ہیں اور انکی تقریرین سنتے ہیں اور انکی کتابیں دیکھتے ہیں اُن میں اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں جو اسلام کے خلاف ہیں اول تو بددینوں کی صحبت اختیار کرنے اور انکی تقریریں اور تحریریں دیکھنے کی ضرورت کیا ہے اور اگر ایسا کیا تو کسی محقق عالم سے اُن باتوں کو کیوں حل نہیں کر لیتے

۱۰۶

(ح) علماء اسلام کے پاس وہ علوم ہیں جنکے سامنے سائنس جدید کی تو حقیقت ہی کیا ہو (کیونکہ انکے اکثر تحقیقات کی بنا صرف تخمین و استقراء پر ہے دلیل عقلی کی ماہیت بھی نہیں جانتے) سائنس قدیم کو بھی ہمیشہ نیچا دکھایا ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتابیں موجود ہیں مثلاً امام غزالی قدس سرہٗ کی تصنیف تہافت الفلاسفہ ہے جسمیں فلاسفہ ہی کے مسلمہ اصول سے اُنکی ہر ہر بات کی غلطی دکھائی ہے جسکو دیکھکر بچے بھی ہنستے ہیں کہ فلاسفہ کی باتیں ایسی مہمل ہیں اور احقر کہتا ہے کہ اگر اور کتابوں کے سمجھنے کی لیاقت بھی نہ ہو تو اس کتاب انتباہات ہی کو غور و انصاف کے ساتھ اور سائنس سے مرعوب نہ ہو کر مطالعہ کریں تو انشاء اللہ تعالےٰ کل شبہات کے جواب ملجائینگے

قدم مادہ کی بحث ادق بحث جسپر آجکل ملحدین خصوصاً آریہ لوگ ہر جگہ غل مچاتے پھرتے ہین لیکن کتاب ہذا کو غور سے پڑھیئے حضرت مصنف مدظلہٗ نے جس خوبی سے دریا کو کوزہ مین بھرا ہے اُسکی خوبی تو بڑے بڑے اہل علم ہی جان سکتے ہین جنھون نے فلسفہ کو بتمام و کمال حاصل کیا ہے اور اُسکی دشوار گذار بحثیں اُن کی نظر سے گذری ہین وہ حضرت والا کی اس تقریر کو دیکھکر حیرت میں رہ جائینگے کہ کسطرح وہ وادیہائے پرخار باغہائے گلزار بن گئے اور کسطرح علماء کے سمجھنے کے مضامین عوام کے سمجھنے کے قابل ہو گئے۔ تاہم غیر اہل علم اور معمولی لیاقت کے آدمی بھی اسکو غور سے پڑھیں گے تو انشاء اللہ تعالےٰ شفا اور شرح صدر حاصل ہوگی اور اسمین وہ بات پائینگے جو غالباً کسی دوسری کتاب میں نہ ملے گی۔ چاہیئے کہ اس بحث کو غور سے پڑھیں اور اُردو سمجھکر اُسکو معمولی مضمون نہ سمجھین یہ کرامت کا مرتبہ ہے کہ حضرت والا نے ایسی مشکل بحث کو اُردو مین چند سطرون مین ختم کر دیا۔ جاننا چاہیئے کہ مادہ کے قدیم ہونے کا مسئلہ کچھ آج ہی کا مسئلہ نہیں ہے بعض پُرانے فلاسفر بھی اس طرف گئے ہین فرق اتنا ہے کہ پُرانے فلاسفرون کی نظر چونکہ کسیقدر دقیق ہے اسواسطے وہ کوئی بات محض اپنے تخمین اور گمان سے نہیں کہتے جیسے فلسفہ جدیدہ والے کہتے ہیں۔ بلکہ اسپر حسب قواعد منطق دلیل قائم کر کے کہتے ہیں جسمین کچھ مقدمات مسلمہ ہوتے ہین اور اُنکے ملانے سے ایک نامعلوم مقدمہ نکل آتا ہے جسکو نتیجہ کہتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ان مقدمات ہی مین کوئی غلطی رہگئی ہو یا کسی اور طرح سے کوئی غلطی ہو گئی ہو جسپر علماء کلام نے گرفت

۱۰۷

(ح) کی ہو اور آجکل کے فلاسفروں کو دلیل ہی کی ماہیت معلوم نہیں نہ وہ ترتیب مقدمات
جانیں نہ نتیجہ نکالنے کا صحیح طریقہ جو ظن وگمان سے انکی سمجھ میں آگیا اسکو صحیح مان لیتے ہیں۔
اور جو انکی سمجھ مین نہ آیا اسکو ناممکن اور محال کہدیتے ہین اور اگر کوئی اعتراض پڑا تو اسکے
دفعیہ کی کوئی ایسی توجیہ کرلی کہ اس سے صرف اپنے دل کو سمجھا لیا جاسکے وہ درحقیقت ایسی
غلط ہو کہ اس سے وہ اعتراض پورے طور پر نہ اٹھتا ہو بلکہ انکے بہت سے مسلمات کو صدمہ
پہنچتا ہو اور عقلاً باطل ہی ہو دیکھئے قدم مادہ کے مسئلہ میں پُرانے فلاسفروں نے یہ مانا
ہے کہ مادہ قدیم ہے اور چونکہ اسکا وجود بلا کسی صورت کے نہیں ہوسکتا اسواسطے ایک
صورت بھی قدیم ہے اسکو وہ صورت جسمیہ کہتے ہین ان کا مانا ہوا مسئلہ ہے کہ عالم مرکب
ہے ہیولی (مادہ) اور صورت سے یہ بات بہت ظاہر ہے کہ جو کوئی مادہ کو قدیم کہیگا اسکو
ضرور ماننا پڑیگا کہ جب بھی اسکا وجود ہو کسی صورت ہی میں ہوگا لیکن علماء کلام نے فلسفہ
کے اس مسلم مسئلہ کو انہی کے مسلم مقدمات سے دلیل قائم کرکے باطل کیا ہے (وہ دلیل
آگے آتی ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ صورت کو قدیم نہیں مان سکتے۔ اسکا مفصل بیان ۱۰۸
آگے آتا ہے اور یہ بات مسلم ہے اور فلاسفر خود مانتے ہیں کہ بلا صورت کے مادہ نہیں
ہوسکتا تو جب صورت کا قدیم ہونا باطل ہوا تو مادہ کا قدیم ہونا بھی باطل ہوگیا) اب فلسفہ
جدیدہ کی سنئے کہ انھوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے ایک ایسی توجیہ نکالی جس کو
سُنکر اہل علم کے بچے بھی ہنستے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ مادہ کے موجود ہونے
کے لئے صورت جسمیہ کا ہونا بھی لازم ہے بلکہ یون کہدیں تو کیا حرج ہے کہ ایک وقت
ایسا بھی گذرا ہے کہ مادہ تھا اور کوئی صورت اسکو حاصل نہ تھی یعنی مادہ صورت جسمیہ سے
مجرد تھا۔ ان کو یہ بھی نہیں سوجھا کہ اس کہنے کی حقیقت کیا ہے کہ مادہ عالم کا موجود تھا
اور صورت نہ تھی اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب صرف مادہ کو مانا جائے اور یوں کہا جائے
کہ عالم کا صرف مادہ ہے اور ذرات کی یا اجزاء لاتتجزیٰ کی اور کوئی بھی صورت اسنے ایسی
نہیں پہنی ہے اسکے یہی معنی ہوسکتے ہیں کہ عالم کا وجود بالقوہ ہے جسکا ترجمہ یہ ہوگا کہ
عالم ایک ایسی فرضی حالت میں ہے کہ آئندہ ذرات کی یا اجزاء لاتتجزیٰ کی یا کوئی صورت پہنکر وجود میں آسکتا ہے

(باقی آئندہ)

صوفی ابن الوقت باشد در مثال
لیک صافی فارغ است از وقت و حال

حالہا موقوف فکر و رائے او
زندہ از نفخ مسیح آسائے او

عاشق حالی نہ عاشق بر منی
بر امید حال بر من مے تنی

آنکہ گہ ناقص گہے کامل بود
نیست معبود خلیل آفل بود

وانکہ آفل باشد و گہ آن و این
نیست دلبر لا احب الآفلین

آنکہ او گاہے خوش و گہ ناخوش است
یک زمانے آب و یکدم آتش است

برج مہ باشد و لیکن ماہ نے
نقش بت باشد و لے آگاہ نے

ہست صوفی صفا جون ابن وقت
وقت را ہمچون پدر بگرفتہ سخت

لیک صافی غرق عشق ذوالجلال
ابن کس نے فارغ از اوقات و حال

غرقہ نورے کہ او لم یولد است
لم یلد لم یولد آن ایزد است

رو چنین عشقے گزین گر زندۂ
ورنہ وقت مختلف را بندۂ

۴۹

منگر اندر نقش خوب و زشت خویش — بنگر اندر عشق و بر مطلوب خویش

منگر این را کہ حقیری یا ضعیف — بنگر اندر ہمت خود ای شریف

تو بہر حالے کہ باشے می طلب — آب میجو دائما اے خشک لب

کان خشکت گواہے میدہد — کو بآخر بر سر منبع رود

خشکی لب ہست پیغامے ز آب — کہ بمات آرد یقین این اضطراب

۵۰ کاین طلبگاری مبارک جنبشے است — این طلب در راہ حق مانع کشے است

این طلب مفتاح مطلوبات تست — این سپاہ و نصرت و رایات تست

این طلب ہمچون خروس در صیاح — مے زند نعرہ کہ مے آید صباح

گرچہ آلت نیستت تو مے طلب — نیست آلت حاجت اندر راہ رب

ہر کرا بینے طلبگار اے پسر — یار او شو پیش او انداز سر

کز جوار طالبان طالب شوے — وز ظلال غالبان غالب شوی

گر یکے مورے سلیمانے بجست ۔ منگر اندر جُستن او سُست سُست

ہر چہ داری تو ز مال و پیشئہ ۔ نے طلب بود اول و اندیشئہ

گر یکے گنجے بیابد نادرست ۔ ور نباشد از طلب ہم قاصرست

ہر کہ چیزے جُست بیشک یافت او ۔ چون بجد اندر طلب بشتافت او

چون نہادی در طلب پا اے پسر ۔ یافتی و شد میسر بے خطر

ہین مباش ای خواجہ یکدم بے طلب ۔ تا بیابے ہر چہ خواہے بے تعب ۵۱

عاقبت جوئندہ یابندہ بود ۔ چونکہ در خدمت شتابندہ بود

در طلب چالاک شو این فتحیاب ۔ مے طلب و اللہ اعلم بالصواب

اچھا اب مضمون بالا کی تائید کے لئے ایک قصہ سُنو ایک شخص کو اسکے معشوق نے اپنے پاس بُھلایا تو اس نے خط نکالا اور اُسکو پڑھکر سُنانے لگا۔ اُس خط کے اندر عشقیہ اشعار تھے اور بہت کچھ تعریف و توصیف تھی اپنی خستگی اور بیچارگی کا اظہار تھا بہت کچھ منت و سماجت تھی اور اپنے رونے پیٹنے نالہ و فغاں رنج و الم کا بیان تھا اپنی ذلت اور اپنوں اور بیگانوں سے بے تعلقی ظاہر کی تھی اپنے زمانہ مفارقت کا بیان کیا تھا اور مصائب ہجر ذکر کئے تھے اپنے پیغاموں اور قاصدوں کا بھی ذکر کیا تھا غرض کہ رطب و یابس بہت کچھ تحریر کیا تھا۔

وہ یہ خط اپنے محبوب کے استمالت خاطر و جلب رحم کے لئے اُسکو سنا رہا تھا حتےٰ یہ مضمون بہت لمبا ہوگیا۔ اور بہت دیر ہوگئی اسپر اس معشوق نے دق ہوکر کہا کہ تم نے جو کچھ کیا اگر میرے لئے کیا تو میں تمہارے پاس موجود ہوں اور تمہارا مدعا حاصل ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا کیا مقصد ہے۔ وصل کی حالت مین اس خرافات کا اعادہ محض تضیع اوقات ہے آپ ذرا غور تو کرین کہ میں آپکے پاس موجود ہون اور آپ خط پڑھ رہے ہیں۔ عاشقون کی تو یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ آپ کیسے عاشق ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ بیشک آپ میرے سامنے تشریف فرما ہیں مگر پورے طور پر میرا مدعا حاصل نہیں کیونکہ گو اسوقت مجھے وصل حاصل ہے لیکن اس وصل میں میں آپ کی وہ دلفریبیاں اور دلربائیاں۔ ناز و انداز۔ ادائیں اور غمزے نہیں دیکھتا۔ جو پارسال کے وصل میں تھیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اسوقت بھی وہی باتیں ہون جو اُس وصل میں تھیں۔ تاکہ لذت تامہ حاصل ہو اور میرا مدعا پورے طور پر حاصل ہو۔ میں نے پارسال آپ کی خوبیون سے بہت کچھ حظ حاصل کیا تھا اور اُن سے آنکھون کو اور دل کو بہت ہی محظوظ کیا تھا۔ لیکن میں اُن خوبیوں کا سرچشمہ تو دیکھ رہا ہون مگر وہ خوبیان نہیں ہیں۔ نہیں معلوم وہ کیا ہوئیں اور کس غارتگر نے انھیں کھو دیا۔ اس نے جواب دیا کہ بس معلوم ہوا کہ آپ کا معشوق میں نہیں ہوں۔ بلکہ کوئی اور شے ہے اور میرے ذریعہ سے اس مطلوب تک پہونچنا مقصود ہے۔ مگر میں کہے دیتا ہون کہ مجھ میں اور آپکے مطلوب میں بہت بعد ہے میں اگر بلغار میں ہوں تو وہ قتو (شہر یا ملک) میں ہے بس میرے ذریعہ سے اسکو حاصل کرنا ناممکن ہے یعنی آپ بالعرض مجھ پر اور بالذات میری خوبی پر عاشق ہیں اور وہ آپ کی مطلوب خوبی میرے امکان سے باہر ہے اسلئے کہ آپ کو وہ ادائیں اور دلفریبیان من حیث الذات مطلوب تھیں بلکہ من حیث کونہا ملذۃ و مطربۃ مطلوب ہیں اور احوال عاشق مختلف ہوتے ہیں کبھی ایک ادا دلفریب ہوتی ہے اور کبھی دوسری ادا۔ حتی کہ کبھی ظلم پسند ہوتا ہے اور رحم ناپسند اور وہ یوں کہتا ہے ؎

محو جفا ستم کش الطاف کب ہوا + رحم اسکو میرے حال یہ آیا غضب ہوا

اور کبھی رحم پسند ہوتا ہے اور کہتا ہے ؎

۵۲

بیدم سا پڑا تھا کوئی اُس کوچہ میں اُس نے ✤ دروازہ پہ آ جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ
اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں ✤ جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

کبھی اختلاط غیر کا احتمال بھی تکلیف دیتا ہے اور کہتا ہے ؎

کیا خوش ہوں کوئی غیر میں گر نقش پا نہو ✤ وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

اور کبھی اُسکی طرف التفات کو عدم التفات کی علامت قرار دیکر اپنی طرف عدم التفات پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

یا د سہواً اُسے اے غیر ہے نسیان عمداً ✤ یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

یہ اُتار چڑھاؤ تو عاشق کی طبیعت کا ہے اب معشوق کی طرف دیکھو کہ اسکے بیساختہ پن اور تصنع میں بھی فرق ہوتا ہے کہ جو بات اُسکے بیساختہ پن میں ہے وہ تصنع میں نہیں۔ لہذا میں عرضداشت پر کوئی توجہ نہیں کر سکتا نیز جبکہ میں اور میرے احوال خاصۃً ہر دو آپکے مطلوب ہیں گو جہتیں مختلف ہیں۔ پس میں آپکا مطلوب تام نہ ہوا۔ بلکہ جزو مطلوب ہوا۔ بلکہ آپکے مطلوب کا گھر ہوا۔ مطلوب نہ ہوا۔ اور آپ کا عشق مال پر ہوا صندوق پر نہ ہوا کیونکہ معشوق کئی تہ رکھنے والے کپڑے کی طرح نہیں ہوتا جسکی ایک تہ مبداء اور دوسری منتہے ہوتی ہے۔ بلکہ وہ اکہرے کپڑے کی مثل ہوتا ہے کہ اسکا مبداء و منتہے خود وہی ہوتا ہے یعنی معشوق ذو جہتین نہیں ہوتا کہ ظاہر میں تو وہ مطلوب ہو اور باطن میں کچھ اور بلکہ اسکی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ جب وہ ملجاوے تو طلب کا خاتمہ ہو جاوے۔ اور ظاہراً بھی وہی مطلوب ہو۔ اور باطناً بھی وہی۔ اور آپکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں یہ بات نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ میں آپکا معشوق نہیں۔ اس مقام پر اتنی بات اور سمجھہ لینی چاہیئے کہ جب وہ عاشق محبوب کی اداؤں اور دلفریبیوں پر من حیث کونہا ملذۃ و مطربۃ عاشق تھا تو درحقیقت وہ خود اپنے حال پر عاشق تھا۔ لہذا اسکے معشوق کے اندر تین تہیں تھیں۔ اول ذات محبوب۔ دوسری احوال محبوب۔ تیسری خود اپنے احوال۔ معشوق نے تیسری تہ کو دوسری تہ میں مندمج کر دیا اور اسکی طرف۔

عاشقی تو بر من بر حسا لتے ✤ حالت اندر دست نبو دلے فتے

۵۳

سے اشارہ کر دیا ہے اور ہم نے اسکی شرح میں اسپر تنبیہ بھی کر دی ہے اور اب اسکو تفریحا بھی بیان کر دیا ہے۔ جب یہ امر واضح ہو گیا تو اب سنو مولانا فرماتے ہیں کہ جو حالت عشق مجازی میں اس عاشق کی تھی وہ حالت عشق الہی میں عارف کامل کی نہیں ہوتی۔ اور عارف کامل جسکو حاکم احوال کہنا چاہیئے حال کا پابند نہیں ہوتا۔ بلکہ زمانہ جو تقلیب احوال میں ید طولے اور مہارت تامہ رکھتا ہے اسکا غلام ہوتا ہے اور اسپر حاکم ہو کر اسکے اندر تغیر نہیں پیدا کر سکتا اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ گفتگو کرتا ہے تو حال کو حکم کرتا ہے اور مخاطبین پر فوراً ایک خاص حال طاری ہو جاتا ہے یا یوں کہو کہ جب وہ گفتگو کرتا ہے تو اسکے مناسب حال کو طاری ہو جانے کا حکم کرتا ہے اور وہ حال اسپر فوراً طاری ہو جاتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو کندہ ناتراش لوگون کو جو کہ جمادات سے مشابہ ہیں اور اسلئے سراسر جسم کہلانیکے مستحق ہیں آدمی بنا دیتا ہے اور ایسا کر دیتا ہے کہ گویا ان میں جسمانیت ہے ہی نہیں اور بالکل روح ہی روح ہے اور جو شخص پابند حال ہو اور حال کا طالب ہو کر منتظر بیٹھا ہو وہ منتہی نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اور عارف کامل خود تو کیا منتظر حال ہوتا اسکی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے دست تصرف سے احوال ناقصہ کو احوال کاملہ بناتا ہے اور جب ہاتھ ہلاتا ہے تو شراب باوجودیکہ مست کن ہے خود مست ہو جاتی ہے ہرچند کہ موت تلخ ہے لیکن اگر وہ چاہے تو اسکو شیریں اور مرغوب بنا دے اور خار و نشتر باوجودیکہ موذی ہیں مگر وہ چاہے تو نرگس و نسرین کیطرح مفرح و منشط ہو جائیں۔ وہ حال کا بادشاہ ہوتا ہے اور احوال اسکے تابع فرمان ہیں وہ اورونکی طرح حال اور کشش سے محروم نہیں ہوتا اسلئے اسکا طالب و منتظر بھی نہیں ہوتا۔ جو لوگ پابند احوال اور اسکے طالب و منتظر ہوتے ہیں وہ انسانیت سے نہیں نکلے اور فنا فی الحق ہو کر صفات الٰہیہ کے ساتھ موصوف نہیں ہوئے۔ اسلئے کہ ان میں ابھی تک ایک صفت نقصان یعنی تغیر و تلون اور کبھی گھٹنا کبھی بڑھنا موجود ہے چنانچہ مثل مشہور ہے کہ صوفی ابن الوقت اور تابع حال ہوتا ہے سو یہ انھیں ناقص صوفیونکی حالت ہے رہے وہ صوفی جو کدورات بشریہ و ظلمات نفسانیہ سے پاک صاف ہیں سو وہ وقت حال سے بیفکر ہیں یہ تو احوال کے کیا پابند ہوتے احوال خود

۵۴

انکی فکر و راستے کے پابند ہیں کہ جبتک یہ نہ چاہیں کوئی حال طاری نہیں ہوسکتا اور جب یہ چاہیں تو پھر رُک نہیں سکتا۔ لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انھیں کے دم حیات بخش مثل دم مسیح کے بدولت زندہ ہیں۔ ہاں تو اس معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ تو حال پر عاشق ہے مجھ پر عاشق نہیں۔ کیونکہ جب مجھ میں وہ حال موجود ہوتا ہے تو میں تجھے اچھا معلوم ہوتا ہوں اور تو میرا طالب ہوتا ہے اور جب نہیں ہوتا تو میں تجھے پسند نہیں آتا اور تو اس حال کے لئے بیچین ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مجھ سے جو کچھ تعلق اور میری جو کچھ طلب ہے وہ بتوقع حال ہے اور اسی کی اُمید پر تو مجھے لپٹتا ہے معشوق کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ کبھی وہ ناقص ہوتا ہے کبھی کامل کبھی اس میں دلبری کی صفت موجود ہوتی ہے کبھی نہیں کبھی وہ پسندیدہ ہوتا ہے کبھی ناپسندیدہ کبھی پانی کیطرح دل ٹھنڈا کرتا ہے اور مرغوب ہوتا ہے اور کبھی آگ کی طرح دل جلاتا اور قابل نفرت ہوتا ہے پس سمجھو کہ جو کبھی ناقص اور کبھی کامل ہو وہ فانی ہے معبود خلیل یعنی مقصود طالب حق اور مطلوب اہل کمال نہیں۔ اور جو فانی اور متغیر الاحوال ہو وہ دلبر اور اس قابل نہیں کہ اسکو محبوب بنایا جاوے چنانچہ حضرت خلیل فرماتے ہیں لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن۔ اور جو کبھی پسندیدہ اور کبھی ناپسندیدہ ہو اور کبھی پانی کیطرح دل ٹھنڈا کرنے والا اور مرغوب ہو اور کبھی آگ کی طرح دل جلانے والا اور نامرغوب ہو وہ ماہ اور حسن ذاتی رکھنے والا نہیں بلکہ بُرج ماہ اور حسن عارضی رکھتا ہے وہ صورت بُت ہے اور اپنے اندر صفت علم جو کمال ہے نہیں رکھتا پس ایسے کو مطلوب اور مقصود بنانا طالب حق کو ہرگز شایاں نہیں بلکہ مطلوب اسکو بنانا چاہیئے جو افول و تغیر احوال بلکہ جملہ نقائص سے منزہ اور جمیع کمالات کے ساتھ موصوف ہو اور کبھی بھی ناپسند نہ ہو بلکہ ہمیشہ پسندیدہ ہو اور کبھی بھی نامرغوب نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ مرغوب ہو۔ اب سمجھو کہ طالبان حق کی دو شانیں ہوتی ہیں بعض تو عاشق مجازی کی طرح خام ہوتے ہیں۔ اور بعض پختہ چنانچہ صوفی طالب صفا چونکہ تابع وقت ہوتا ہے اسلئے وہ وقت و حال ہی کو مضبوط پکڑے ہوتا ہے اور اسیکو مقصود سمجھتا ہے یہ تو اس عاشق مجازی کی طرح خام اور ناقص ہے لیکن جو لوگ کدورات بشریہ و ظلمات نفسانیہ سے پاک ہوتے ہیں وہ عشق حق سبحانہ میں غرق ہوتے ہیں اور کسی کے تابع و پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ اوقات و احوال سے بیفکر ہوتے

ہیں وہ اُس نور میں غرق ہوتے ہیں جو کسی سے پیدا نہیں ہوا اور لم یلد ولم یولد شان حق سبحانہ ہے لہذا وہ نورِ حق سبحانہ میں مستغرق ہوتے ہیں پھر بنوت وقت کا وہان کیا گذر ہوسکتا ہے صنف اول کی طرح یہ حضرات خام نہیں ہوتے بلکہ یہ حضرات پختگان عشق ہیں پس اگر تم میں حیات موجود ہے اور ادراک واحساس رکھتے ہو اور جمادات کی طرح بے حس نہیں ہو تو ایسا عشق اختیار کرو اور اگر عاشق مجازی یا پہلی قسم کے عاشق خدا بنے تو یاد رکھو کہ اوقات مختلفہ کی غلامی کرنی پڑیگی اور ہر وقت اور ہر حال تم پر جُدا گانہ حکومت کریگا اور تم اس ست خصمی ملازمت سے ہمیشہ پریشان رہوگے پس تم کو چاہیئے کہ وحدہ لاشریک کے ہو رہو جہاں سکون ہی سکون ہے پریشانی کا نام نہیں تو اپنی بھلائی بُرائی پر نظر نہ کرنا۔ اور یہ نہ خیال کرنا کہ میرا کیا منہ ہے۔ کہ میں طالب حق سبحانہ بنون بلکہ تو یہ دیکھنا کہ یہ دولت عشق الٰہی کیسی عجیب ہے۔ اور مطلوب کیسا پاکیزہ اور کسقدر دلربا ہے ٥

عاید فریب شوخی ورغبت فزا نگاہ ✣ میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھکر نہو۔ خبردار تو یہ نہ دیکھنا کہ میں مفلس و قلاش ہوں یا ضعیف و ناتواں ہوں بلکہ تو اپنی ہمت عالی پر نظر کرنا جو تجھکو اس طلب کیلئے عطا ہوئی ہے اور خواہ تیری کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو طلب کرتے رہنا تو پیاسا ہے پس تو ہمیشہ پانی کو طلب کرتے رہنا اور یہ خیال بھی نہ کرنا کہ مجھے پانی نہ ملے گا اسلیئے کہ ہونٹوں کی خشکی اور تیری طلب کہہ رہی ہے کہ تیرے ہونٹوں کی رسائی پانی کے چشمہ تک ہوگی اور تو کبھی نہ کبھی دیر یا سویر وصال مطلوب سے کامیاب ہوگا کیونکہ یہ تیرے ہونٹوں کی خشکی اور تیری طلب پانی (حق سبحانہ) کی طرف سے تیرے لئے اس امر کا پیغام اور مژدہ ہے کہ یہ تیری تشنگی ایکروز تجھے تم تک پہونچا کے رہیگی۔ کیونکہ یہ طلب ہی ایک مبارک حرکت ہے اور راہ حق میں یہ طلب ہی تمام رکاوٹون کو دُور کرنے والی ہے۔ یہ طلب تیرے مقاصد کی کنجی ہے اور یہی تیری فتح کے لئے فوج اور جھنڈے ہیں تو اس خشکی اور طلب کو ایسا سمجھنا جیسا رات کو مرغ کی اذان کہ وہ صبح کی آمد کا اعلان ہوتا ہے ہاںکہ تیرے پاس سامان طلب نہیں مگر تو پریشان نہ ہو بلکہ طلب کئے جا حق سبحانہ کے رستہ کو طے کرنے کے لیے سامان صفر کی ضرورت نہیں ٥

دادِ حق را قابلیت شرط نیست ✧ بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

اور بھی تجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا تو اتنا ہی کرنا کہ جسکو تو اس راہ کا طالب دیکھے اسکا رفیق بنجا اور اپنے کو اسکے حوالہ کردے کیونکہ خربوزہ کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اُن طالبین کے زیرِ سایہ تو بھی طالب ہوجاویگا۔ اوران غالبین نفس وشیطان کے سایہ میں رہکر تو بھی غالب ہوجاویگا۔ یاد رکھہ کہ اگر کوئی چیونٹی سلیمان کو تلاش کرے تو اُسکو نظرِ حقارت سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ اسکی عالی ہمتی کی داد دینا چاہیئے۔ پس تو اپنی طلب کو بھی اس چیونٹی کی طلب کے مشابہ سمجھکر حقیر نہ سمجھنا اسلیئے کہ طلب بڑی چیز ہے دیکھہ تو سہی جو کچھ دولت یا ہنر تیرے پاس اسوقت موجود ہے۔ ان سے پہلے کیا تھا طلب اور خیال ہی تو تھا اسی طلب اور خیال کی برکت ہے کہ آج تو دولتمند اور صاحبِ کمال بنا بیٹھا ہے پس تو طلب کو حقیر سمجھکر چھوڑ نہ بیٹھنا اور یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ ملنا ہوگا خود ہی مل رہے گا۔ کیونکہ بے طلب کے کسیکو خزانہ ملجانا شاذ و نادر ہوتا ہے ظاہر تو یہ ہے کہ طلب نہ ہونے کی صورت میں دولت سے تو محرومی لازمی ہی طلب دولت سے محرومی کا اور اضافہ ہوجائے گا۔ طلب کو فضول سمجھنا سراسر حماقت ہے۔ کیونکہ من جدّ وجد جو طلب کرتا ہے توجبکہ وہ اس میں سرگرم ہوتا ہے اسکو ملتا بھی ضرور ہے۔ پس جب تم طالب بنجاؤ گے تو مطلوب تمہارے لئے ضرور آسان ہوجاویگا اور ایک روز مل بھی جاویگا۔ لہذا کسی وقت بھی تم کو بے طلب نہ رہنا چاہیئے اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ مطلوب تم کو ملجاویگا۔ کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کوئی شخص کسی مطلوب کو ڈھونڈ ھتا ہے توجبکہ وہ اس کام میں سرگرم ہو بالآخر اسکو مل ہی جاتا ہے پس ہمت نہ ہارو اور طلب میں چست ہوکر خائف المرام نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ طلب کرو۔ اتنا تو ہم جانتے ہیں باقی ٹھیک بات کو خدا ہی زیادہ جانتا ہے اب ہم ایک قصہ سُناتے ہیں جس سے تم کو طلب اور دعا کا ثمرہ اور نتیجہ ظاہر ہو۔

۵۷

ایک عاشق کی اپنے معشوق کے وصل کیوقت عشق نامہ

کو پڑھنے کی اور اُسکے مطالعہ کرنیکی حکایت اور معشوق کا
اُسکو ناپسند کرنا اسلئے کہ مدلول کے حصول کے بعد دلیل
کو تلاش کرنا قبیح ہی اور معلوم تک پہونچ جانیکے بعد
علم میں مشغول ہونا مذموم ہی

آن یکے را یار پیش خود نشاند نامہ بیرون کرد و پیش یار خواند

۵۸ یعنی ایک شخص کو دوست نے اپنے آگے بٹھایا تو اُس شخص نے خط نکالکر یار کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔

بیتہا در نامہ و مدح و ثنا زاری و مسکینی و بس لابہا

یعنی خط میں اشعار تھے اور مدح و ثنا تھی اور زاری اور مسکینی اور بہت سی باتیں۔

گریہ وافغان حزن و درد خویش خواری و بیزاری با اہل و خویش

یعنی اپنا گریہ اور افغان اور حزن اور درد اور خواری اور بیزاری اہل واقربا کے ساتھ۔

دُوری و رنجوری از ہجران دوست ذکر پیغام و رسول از مغز و پوست

یعنی ہجر یار کی وجہ سے دوری اور رنجوری اور پیغام اور پیغامبر کا ذکر اور رطب و یابس اُس میں تھا۔

ہمچنین میخواند با معشوق خود تا کہ بیرون شد ز حصر و حد و عد

یعنی وہ اسیطرح اپنے معشوق کے سامنے پڑھ رہا تھا یہانتک (اسکا بیان) حد سے بہت بڑھ گیا تھا (تو اس معشوق نے اول تو صبر کیا مگر جب نوبت یہانتک پہونچی تو وہ بھی بولا کہ)

گفت معشوق این اگر بہر من است گاہ وصل این عمر ضائع کردنست

یعنی معشوق نے کہا کہ اگر یہ میرے واسطے ہے تو وصل کے وقت میں یہ تو عمر کو ضائع کرنا ہے۔

من بہ پیشت حاضر و تو نامہ خوان نیست این بارے نشان عاشقان

یعنی میں تو تیرے سامنے ہوں اور تو خط پڑھ رہا ہے تو یقینا یہ تو عاشقوں کا نشان ہے نہیں (اسلئے کہ اگر تو مجھ پر عاشق ہوتا تو اسوقت تو مجھے دیکھتا بھالتا انکو الگ پھینکتا)

۵۹ گفت اینجا حاضری اما ولیک می نمی یابم نصیب خویش نیک

یعنی عاشق نے کہا کہ تو اس جگہ حاضر ہے لیکن میں اپنا حصہ اچھی طرح نہیں پاتا۔ مطلب یہ کہ تیری جو محبت مجھے پہلے تھی اب وہ جوش وخروش میرے اندر موجود نہیں ہے۔

آنچہ می دیدم ز تو پارینہ سال نیست اینِدم گرچہ می بینم وصال

یعنی جو بات کہ میں تیرے لئے اپنے اندر پار سال پاتا تھا وہ اسوقت نہیں ہو اگرچہ وصال دیکھ رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ تیرے لئے جو جوش وخروش کہ پار سال میرے اندر تھا آج وہ موجود نہیں ہے۔

من ازین چشمہ زلالے خوردہ ام دیدہ و دل ز آب تازہ کردہ ام

یعنی میں نے اس چشمہ (وصل) سے ایک زلال کھایا ہے اور دیدہ و دل کو آب (رخ) سے

تازہ کیا ہے (بگمر)

**چشمہ می بینم ولیکن آب نے	راہ آبم را مگر زد رہزنے**

یعنی میں چشمۂ وصل کو دیکھہ رہا ہوں مگر پانی نہیں ہے میرے پانی کی راہ کسی راہزن نے ماری ہے مطلب یہ کہ وصل تو ہے مگر اسکے اندر جو پہلے جوش وخروش تھا وہ موجود نہیں ہے تو ایسا ہے کہ جیسے چشمہ ہو اور اس میں پانی نہ ہو۔ کہ وہ بے سود ہوتا ہے ایسے ہی یہ وصل بے سود ہے

**گفت پس من نیستم معشوق تو	من ببلغار و مرادت در قتو**

یعنی معشوق نے کہا تو میں تیرا معشوق نہیں ہوں میں تو بلغار میں ہوں اور تیری مراد قتو میں ہے بلغار اور قتو دو شہروں کا نام ہے۔ مطلب یہ کہ تو کچھ سوچ رہا ہے اور میں کہیں ہوں۔ تو کہاں اور میں کہاں۔ معلوم ہوا کہ میں پوری طرح تیرا معشوق ہی نہ تھا بلکہ۔

**عاشقی تو بر من و بر حالتے	حالت اندر دست نبود ای فتے**

یعنی تو مجھ پر اور ایک حالت پر عاشق ہے تو حالت تو قدرت میں ہوتی نہیں ہے اے جوان مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ معلوم ہوا کہ تو دو چیزوں پر عاشق تھا ایک تو مجھ پر اور ایک اس حالت پر جو کہ میری وجہ سے تیری ہو جاتی تھی تو میں جزو معشوق ہوا کل معشوق نہ ہوا۔

**پس نیم کلے مطلوب تو من	جزو مقصودم ترا اندر زمن**

یعنی پس میں تیرا پورا مطلوب نہیں ہوں بلکہ زمانہ میں تیرا جزو مقصود ہوں۔

**خانۂ معشوقہ ام معشوق نے	عشق بر نقدست بر صندوق نے**

یعنی میں تمہارے معشوق کا گھر ہوں معشوق نہیں ہوں۔ عشق نقد پر ہے اور صندوق پر نہیں مطلب یہ کہ تیرے معشوق کی تو وہ حالت ہے جو کہ میری وجہ سے تیری ہوئی تھی۔

فلما انكروها ظهر صدق دعواهم
التوحيد حيث نفوا ربوبية
ما زعموه غير الرب ولعل
الانقلاب عن الصواب
هو لغلبة الاهوال على
عقولهم بحيث لا يبعد ان
ينكروا التجلي المثالي
الاخر الاتي فيما بعد
قياسا لاحدهما
على الآخر) فيقول
هل بينكم وبينه
اية فتعرفونه
بها فيقولون نعم
فيكشف عن ساق
فلا يبقى من كان
يسجد لله من تلقاء
نفسه الا اذن له
بالسجود ولا يبقى
من كان يسجد اتقاء
ورياء الا جعل الله
ظهره طبقة واحدة

کہ ہم کو اون کی طرف سخت احتیاج تھی اور
اون کا ساتھہ نہیں دیا پس اسوقت آپ کو
چھوڑ کر کہاں جائیں) حق تعالی ارشاد فرماوینگے
گے میں تمہارا رب ہوں (چونکہ اوس تجلی میں حق
تعالی کو پہچانیں گے نہیں اسلئے) وہ لوگ
کہیں گے کہ ہم اللہ تعالے کی پناہ مانگتے ہیں
تجھ سے ہم اللہ تعالے کے ساتھہ کسیکو شریک
نہیں کرتے دو بار یا تین بار ایسا کہیں گے
یہاں تک کہ بعضے تو بالکل اس کے قریب
ہو جائیں گے کہ (امر صواب سے منقلب
ہو جائیں (اور اوس سے ہٹ جائیں
بسبب امتحان شدید کے جو کہ جاری
ہوگا یہ نووی نے کہا ہے اور ان لوگوں
کے اس انکار کی کہ تو ہمارا رب نہیں
شاید یہ وجہ ہے کہ جس صفت سے حق تعالے
کی اونکو دنیا میں معرفت حاصل ہے وہ بھی
تجلی مثالی ہے جو اذہان مختلفہ میں اوضاع
مختلفہ پر ہے اور یہ تجلی مثالی ذہنی اسوقت
کی تجلی مثالی محشری پر منطبق ہوگی نہیں
جیسا کہ اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا یہ ارشاد دال ہے فی ادنے صورۃ من

۱۶۳

كلما اراد ان
يسجد خر على
قفاه (قال القاضي
عياض كما نقله
عنه النووي
قيل المراد
بالساق هنا
نور عظيم وورد
ذلك في حديث
عن النبي صلى الله
عليه وسلم قلت
ويخلق الله ح
فيهم علما
ضروريا بكونه
تجليا ربانيا
وان لم يعرفوه
به قبل ذلك
والله اعلم ثم
يرفعون رؤسهم
وقد تحول
في صورته التي

۱۶۴

التی رؤہا اور شاید حکمت اس تغائر تجلی
کی امتحان ہو جیسا خطابی ونووی سے
اوپر مذکور ہوا ہے یعنی امتحان اون کے
ایمان کا اور اُن دعوے توحید کا اور
اون کے اس قول کا کہ ہم لوگوں سے
جدا ہو گئے تھے۔ پس اس امتحان کے
لئے اون کے سامنے اون کی صورت
ذہنیہ سے مغائر صورت میں تجلی
فرمائی اور اسکی ساتھ اون میں اس کا
علم ضروری پیدا نہیں فرمایا کہ یہ بھی تجلی
ربانی ہے پس جب انہوں نے اس صورت
کا انکار کیا تو اون کے دعوئے توحید
کا صدق ظاہر ہو گیا کہ اونھوں نے غیر کی
ربوبیتہ کا انکار کر دیا اور شاید انقلاب
عن الصواب کا سبب اون کے عقول
پر اہوال کا غلبہ ہو اس طرح کہ مستبعد نہ
تھا کہ اسپر قیاس کر کے اوس تجلی مثالی
کا بھی انکار کر بیٹھیں جس کا ذکر عنقریب
اسی حدیث میں آتا ہے) پھر ارشاد فرمایا
گئے کیا تمھارے اور رب تعالیٰ کے
درمیان کوئی علامت ہے جس سے

رواہ فیہا اول مرۃ
فیقال انا ربکم
فیقول انت ربنا
الحدیث رباب
اثبات رؤیۃ
المومنین ۱۷)
والذی ارے
ان ہذا التحول
ہو ظہورہ فی
الصورۃ الذہنیۃ
المثالیۃ
التی کانوا یعرفونہ
بہا قبل ذلک
وہذا ہو الذی
وعدنا بتبیان
ذکرہ بقولنا
سیاتی فی
الحدیث ویجوز
ہذا التحول
فی التجلیات
المثالیۃ من

تم اوسکو پہچان لو وہ کہیں گے ہاں پس
ساق کو کھول دیا جاوے گا پس کوئی
ایسا شخص باقی نہ رہے گا جو اللہ کو سجدہ
کرتا ہو دل سے مگر اوسکو سجدہ کی توفیق
ہو جاوے گی اور کوئی ایسا شخص باقی
نہ رہے گا جو تقیہ اور ریاء سے سجدہ کرتا
ہو مگر اللہ تعالے اوسکی کمر کو ایک تختہ
کردیں گے وہ جب بھی سجدہ کرنا
چاہے گا فوراً ہی قفا کے بھل گر پڑیگا
(قاضی عیاض نے کہا ہے جیسا کہ نووی
نے اون سے نقل کیا ہے کہ بعض نے
کہا ہے کہ مراد ساق سے اس جگہ ایک
نور عظیم ہے اور یہ ایک حدیث میں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوا ہے اھ
میں اشرف کہتا ہوں کہ اون لوگوں میں
اوس وقت اللہ تعالے اوس کے تجلی ربانی
ہونے کا علم ضروری پیدا کردیں گے
اگرچہ اس کے قبل اس تجلی سے اونکو
اوسکی معرفت نہ تھی واللہ اعلم) پھر یہ
لوگ سجدہ سے اپنا سر اوٹھا دیں گے
اور اللہ تعالی اپنی ایسی صورت میں منتقل

۱۶۵

بعضها الی بعض
وهذا الصورة
وان کانت
واحدة بالشخص
لکنها یمکن
ان ترى مختلفة
فی ابصار مختلفة
فلا یشکل
انطباق
التصورات
المختلفة علی
الصورة المتعینة
هذا وانما لم
یتجل بصورة
اعلی مما عرفوه
مغائرة له لعدم
حصول حکمة
الامتحان به
لان کل مؤمن
یعتقد انه تعالی
لیس دون ما اعتقدناه

۱۶۶

ہو چکے ہوں گے جس میں ان لوگوں
نے اون کو اول بار (یعنی دنیا میں) دیکھا
تھا (یعنی پہچانا تھا) پھر فرما دیں گے میں
تمہارا رب ہوں وہ لوگ کہیں گے
آپ ہمارے رب ہیں الحدیث (مسلم ج ۱
باب اثبات رویۃ المومنین) اور اسمیں
میں جو سمجھا ہوں یہ ہے کہ اس انتقال
کی حقیقت اوس صورت مثالیہ ذہنیہ
میں ظہور ہے جس کے ذریعہ سے وہ
لوگ حق تعالی کو اس کے قبل دنیا میں
پہچانتے تھے اور یہی تجلی ہے جس کے
مذکور ہونے کا ہم نے اپنے اس قول
میں وعدہ کیا تھا وہ قول یہ ہے "جس کا
ذکر عنقریب حدیث میں آتا ہے" اور
تجلیات مثالیہ میں ایسا انتقال ایک سے
دوسری کی طرف جائز ہے اور یہ صورت
مثالیہ اگرچہ واحد بالشخص ہوگی لیکن
ممکن ہے کہ ابصار مختلفہ میں جب
تصورات مختلفہ مختلف اطوار میں نظر
آوے پس یہ اشکال واقع نہیں ہوتا
کہ تصورات مختلفہ صورت متعینہ پر کیسے منطبق ہونگے

باقی آئندہ

اسکے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اس قصہ کو بروایت شاہ عبد الغنی صاحب شاہ اہل اللہ صاحب کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ قصہ شاہ اہل اللہ صاحب کا ہے نہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا۔ میں نے اس معاملہ میں مولانا سے گفتگو بھی کی مگر مولانا اپنی رائے پر قائم رہے واللہ اعلم۔

حاشیہ حکایت (۱۳۵) قولہ مولانا اپنی رائے پر قائم رہے اقول مولانا کا قول اسلیئے راجح ہے کہ آپکی سند معلوم ہے چنانچہ احقر کے رسالہ زیادات میں مذکور ہے اور دوسرے قول کی سند معلوم نہیں پس ترجیح ظاہر ہے (**ش ت**)

(۱۳۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے۔ کہ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب کے درمیان جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق اختلاف تہا۔ شاہ عبد العزیز صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے اور دل گواہی دیدے کہ آپ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو خواہ کسی شکل میں دیکھے اس نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکہا۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب یہ فرماتے تھے کہ جو صورت آپکی واقعی تھی اگر اسمیں بال برابر بھی تفاوت ہو تو اس نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکہا مثلاً اگر آپکے بیس بال سفید تھے اور دیکھنے والے نے اکیس دیکھے تو اس نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکہا اور اسکی دلیل یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر صحابہ کے زمانہ میں کوئی شخص جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا تو صحابہ اس سے حلیہ دریافت کرتے اور بغیر اسکے تصدیق نہ کرتے۔ اور اس بارہ میں دونوں بھائیون میں تحریریں ہوئی ہیں لیکن زبانی گفتگو کبھی نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں اسکا تذکرہ بھی چھڑ گیا اور شاہ عبد العزیز صاحب اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگے تو شاہ رفیع الدین صاحب بالکل خاموش سنتے رہتے تھے اور اصلاً نہ بولتے تھے (خانصاحب نے فرمایا کہ کسی نے شاہ رفیع الدین صاحب سے کہا کہ آپ شاہ صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہین ایک دفعہ دونون بیٹھ کر زبانی گفتگو کیون نہیں کر لیتے تو شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس میاؤن کا

جواب نہیں اگر شاہ صاحب نے یون فرمایا کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اسکا جواب
نہیں ہے یہ فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات زبانی گفتگو کے متعلق سوال کرنے کی مجھے
یاد نہیں کہ مَیں نے کس سے سُنی ہے) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی صاحب یہ بھی فرماتے
تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کا اس مسئلہ میں ایک تیسرا مسلک تھا۔ وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر
دیکھنے والے نے آپ کو اس زمانہ کے اتقیاء کی وضع میں دیکھا ہے تو اس نے جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اگر اس وضع کے خلاف وضع میں دیکھا ہے تو نہیں دیکھا۔

حاشیہ حکایت (۱۳۶) قولہ صحابہ اُس سے حلیہ **اقول** اسکا یہ
جواب ہوسکتا ہے کہ خاص ان صحابہ کا بھی مسلک ہو گا سب سے ایسا سوال منقول نہیں
یا اس زمانہ کی استعداد کا یہی مقتضا ہو کہ تمثل بعید نہ ہوتا ہو تو اس سے ضعیف الاستعداد کیلئے
تمثل بعید کا بطلان لازم نہیں آتا (**شت**)

(۱۳۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب جب
ابتدا میں دہلی آئے ہیں تو جامع مسجد میں شرقی دروازہ کے اوپر شمالی سہ دری میں ٹھیرے۔ ۱۴
کئی وقت ہوگئے۔ مگر کسی نے کھانے کو نہ پوچھا اور یہ فاقہ سے رہے۔ کئی وقت کے بعد ایک
شخص ایک بڑی قاب میں مرغ کی بریانی لایا اور شاہ غلام علی صاحب کو مسافر سمجھکر دیدی
اسوقت کا دستور تھا کہ برتن واپس نہ لیتے تھے اسلئے اس نے قاب بھی واپس نہ لی۔ جب
انھون نے کھانا کھایا تو کچھ کھانا بچ رہا۔ انکو خیال ہوا کہ اسکو رکھ دیا جاوے۔ دوسرے
وقت کام آوے گا۔ یہ خیال کرکے انھون نے رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور رکھنا ہی چاہتے
تھے کہ معًا ان کو خیال ہوا کہ رکھنا نہیں چاہیئے بلکہ کسی اور حاجتمند کو دیدینا چاہیئے جس خدا
نے اسوقت دیا ہے وہ دوسرے وقت بھی دیگا یہ خیال کرکے وہ نیچے اترے اور دروازہ سے
باہر کسی حاجتمند کو دینے کے لئے گئے۔ جب یہ دروازہ سے نکلے ہیں تو ایک مجذوب نے انکی
طرف مخاطب ہوکر کہا خوب سمجھا بے سالے یہ ٹھہری تھی کہ اگر یہ صرف قاب کو ٹیک دے تو
سالے کو بھوکا مار ڈالو۔

حاشیہ حکایت (۱۳۷) قولہ یہ ٹھہری تھی **اقول** ہر ایک کے ساتھ جدا

معاملہ ہے اس سے ادخار کا منافی توکل ہونا لازم نہیں آتا (تشت)

(۱۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب بہت کریم النفس تھے لوگ انکی کتابیں چرا کر یا مانگ کر لیجاتے۔ اور پھر ان ہی کے ہاتھ بیچنے کے لئے آتے کتابوں کا داروغہ دیکھتا اور کہتا کہ حضور یہ کتاب تو آپ ہی کی ہے دیکھئے اسپر آپ کا بھی نام لکھا ہوا ہے اور مہر بھی آپ فرماتے کیا دُنیا میں میرے اور تیرے نام کا کوئی اور شخص ہے ہی نہیں۔ نہیں ہماری کتاب نہیں ہے اسکی ہے مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ اور وہ کتاب اسیکو دیدیتے اور اگر ضرورت سمجھتے تو قیمت دیکر لے لیتے۔

حاشیہ حکایت (۱۳۸) قولہ کیا دنیا میں اقول یہ ہے علم و عمل لاتقف ما لیس لک بہ علم کا (تشت)

(۱۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے شاگرد تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی کچھ پڑھا تھا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ عرض و معروض کرنی ہوتی تو عرضی لکھا کرتے تھے۔

حاشیہ حکایت (۱۳۹) قولہ عرضی لکھا کرتے تھے **اقول** ادب کا یہ بھی ایک رنگ تھا دوسرا رنگ عرضی کو حجاب سمجھکر زبان سے عرض کرنا ہے۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست (تشت)

(۱۴۰) خانصاحب نے فرمایا۔ کہ یہ قصہ مین نے اپنے کسی بزرگ سے نہیں سُنا۔ صرف دیوان اللہ دیے سے سُنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جان جانان رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ میں کو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلے بچھا کر بیٹھتے تھے اور انکے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اسکے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہوکر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مارتے اور برا بھلا کہتے اور انکے نیچے سے مصلا کھینچکر پھینکدیتے۔ لوٹا اُٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینکدیتے اور یہ

۱۴۳

کرکے روانہ ہوجاتے لوگ اس حرکت کو دیکھکر اور مرزا صاحب کی شان کے خلاف سمجھکر اسپر تعجب کرتے مگر دریافت کرنیکی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرأت کرکے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ انکے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کیا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو ہماری شکل صورت اچھی تھی ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آیا کرتے تھے یہ بھی ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اسوقت انکے ساتھ یوں ہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی۔ جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے۔ ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے مگر صرف ایک یہ شخص تھا جو برابر آتا رہا اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے اسکی طرف توجہ کرنی چاہیئے میں نے جو اسکی طرف توجہ کی تو میں اسکے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اسکو اپنے سے بہت اونچا دیکھا اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اسکا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اسکے لئے چھوڑی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپ کی جگہ مگر اس نے نہ مانا میں نے نہایت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اب تک کرتے رہے ہو اسکو میں نے نہ مانا اسپر انھوں نے میری تمام کیفیت صلب کرلی اور میں کورا رہ گیا اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دیدو اسپر اس نے کہا کہ اس شرط سے واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہوگے جو اب تک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے ؎

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی ٭ قرباں ترے پھر مجھے کہدے اسیطرح

(یہ شعر اس جگہ خانصاحب نے اپنی طرف سے پڑھا تھا) میں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اس مجبوری سے میں ایسا کرتا ہوں۔

حاشیہ حکایت (۱۴۰) قولہ ہمارے چاہنے والوں میں تھے **اقول** انکی محبت نفسانی نہ تھی ورنہ سب کے ساتھ یہ بھی رخصت ہوجاتے۔

۱۴۰

اگر ایسا ہوا تو مدینہ میں ہمارے مخالف ایک بڑی جماعت طیار ہوجائے گی اور کسی نہ کسی وقت اپنا انتقام لینے کے لئے وہ ہم پر ضرور حملہ آور ہوگی اس بنا پر انھون نے قصی بن کلاب کے اس مشہور مکان مین جو دار الندوہ کے نام سے موسوم اور ہمیشہ سے قومی دار الشوریٰ بنا ہوا تھا اجلاس عام کیا اس جلسہ میں ہر قبیلہ کے روسا، یعنی عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، ابوجہل، جبیر بن مطعم۔ نضر بن حارث بن کلدۃ، ابو البختری، ابن ہشام، طعیمہ بن عدی، حارث بن عامر، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، امیہ بن خلف، ہشام بن عمر، نبیہ، منبہ، وغیرہ وغیرہ شریک تھے اور اس اندیشہ ناک قومی و مذہبی مخالفت کی ترکی تمام کرنے اور سالہا سال کے نزاع و جدال کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے سب سے مشورہ لئے گئے۔ لوگون نے مختلف رائیں پیش کیں، ایک نے کہا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پاؤن میں زنجیریں ڈالکر کسی تنگ و تاریک مکان میں بند کر دیا جائے، دوسرے نے کہا "جلا وطن کر دینا کافی ہے" ابوجہل نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب کیا جاوے اور پورا مجمع ایک ساتھ ملکر تلوارون سے ان کا خاتمہ کر دے اس صورت میں انکا خون تمام قبائل میں تقسیم ہوجائیگا اور بنو ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اس آخیر رائے پر اتفاق ہوگیا اور چند ستم کیش نوجوان اس طے شدہ امر کی انجام دہی کے لئے مقرر ہوگئے۔

خدا کے مقدس ناموس اعظم جبرائیل علیہ السلام نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش کے مشورہ و منصوبہ کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ کا یہان شب گذارنا مناسب نہیں بارتیعالیٰ عز اسمہ کا فرمان عالیشان ہے کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں، چنانچہ سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوراً دوپہر کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لیگئے دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی اجازت پانے کے بعد گھر میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹادو" صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "یہاں آپ کی حرم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے" آپ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے"، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ بہت دنون سے ہجرت کے منتظر تھے نہایت بیتابانہ عرض کرنے لگے میرا باپ

۴۱

آپ پر فدا ہو مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا ؟ ارشاد ہوا ہاں !

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مین نے اسوقت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ مارے خوشی کے ان کے آنسو نکل پڑے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے وہی دو اونٹنیان جو ہجرت کے لئے چار ماہ سے ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیں اور عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمالیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا "اچھا" مگر بقیمت۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجبوراً قبول کیا۔

بعض مورخین کا بلا قیمت نہ قبول کرنے کی علت یہ بیان کرنا کہ "محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا سراسر غلطی اور انصاف کا خون کرنا ہے کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے اوپر کسیکا احسان نہیں رہا۔ سب کا اتار دیا مگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا البتہ احسان میرے ذمہ باقی ہے اسلئے ان کا احسان اتنا بڑا ہے کہ اسکا عوض قیامت کے روز اللہ ہی دیگے۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہونچایا جتنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال نے پہونچایا ہے (جامع الترمذی جلد ثانی مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۲۰۷)

۴۲

نیز ابن عساکر نے بیان کیا ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) اسلام سے مشرف ہوئے آپ کے پاس چالیس ہزار دینار یا درہم موجود تھے آپ نے تمام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر خرچ کر دیئے (تاریخ الخلفاء)

بلکہ بقیمت قبول کرتے میں نکتہ یہ ہے ہجرت عبادت ہے اور عبادت کا اپنے مال سے ہونا بہتر اور افضل ہے چنانچہ حق شانہ ارشاد فرماتے ہیں وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (اپنے رب کی عبادت میں کسیکو شریک نہ کیجئے) ورنہ صدیق رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار دینار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور امداد اسلام پر صرف کئے تھے (تفسیر روح البیان فی قصتہ الغار)

غرض ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت ہوشیاری و عقلمندی سے سفر کا پورا انتظام کر لیا اور یہ قرار داد ہوئی کہ دونوں صاحب رات کے وقت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے مکان کی کھڑکی سے نکلکر مدینہ کی راہ لیں صبح ہونے سے پیشتر جبل ثور کے غار میں پوشیدہ ہو جائیں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تمام دن مکہ میں رہ کر باشندگان مکہ کے خیالات وحالات معلوم کرکے شب کو واپس آکر غار ثور میں آکر اطلاع دیں عامر بن فہیرہ سیدنا ابوبکر کے آزادشدہ غلام دن بھر مکہ میں بکریاں چرائیں اور شام کو غار میں دودھ پینے کیواسطے لیکر آئیں عبد اللہ بن اریقط کو (جو راہ سے خوب واقف اور نہایت امانت دار تھا اگرچہ شرک وکفر میں مبتلا تھا) مناسب اجرت پر مقرر کرکے فرمایا کہ دونوں اونٹنیوں کو تیسرے دن جبل ثور پر لائے اور مدینہ تک راستہ بتلاتا چلے لیکن اس سے اس بات کا قول وقرار لے لیا کہ کسی پر اس پوشیدہ راز اور خفیہ عزم کو ظاہر نہ کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اسوقت کمسن تھیں انکی بڑی بہن اسماء نے جو حضرت عبد اللہ بن زبیر کی ماں تھیں سفر کا سامان کیا دوتین دن کا کھانا۔ ناشتہ دان میں رکھا، نطاق، جسکو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑکر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندہا۔ یہ وہ شرف تھا۔ جسکی وجہ سے آجتک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

۷۳ جب نیر اعظم اپنی روشن کرنوں سے عالم افروزی کرکے دنیا سے رخصت ہوا اور شب ظلمت کی سیاہ چادر اوڑھ کر نمودار ہوئی تو کفار قریش نے جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کرلیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اسلئے باہر ہی ٹھیرے رہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نکلیں تو آپ کو قتل کریں۔ تاکہ خالی الذہن ہونے کی وجہ سے آپ کوئی تدبیر بھی نہ کرسکیں اور آخری شب کی ظلمت کے سبب قاتل بھی معلوم نہ ہوسکے کہ کس نے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت وامانت پر پورا وثوق اور کامل اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لاکر رکھ جاتا تھا۔ اسوقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں حضرت علی کرم اللہ وجہ کو بلاکر فرمایا کہ مجھکو ہجرت کا حکم ہوچکا ہے میں آج مدینہ روانہ ہوجاونگا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو صبح کو سب کی امانتیں نام بنام ادا کرنا اور وہ تمام معاملات ضروری حقوق العباد جو میرے متعلق ہیں اور میں اتفاقیہ سفر درپیش ہونے کے سبب ان کو پورا نہ کرسکا تمام کو پہونچا کر مدینہ چلے آنا

عمامہ سر سے باندھ، روئے مبارک پر نقاب ڈالکر دروازہ سے باہر تشریف لائے سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیتیں تلاوت کرنی شروع کیں اور ایک مشت خاک ان کفار کی جانب (جو گھر کا محاصرہ کئے ہوئے شام سے پڑے ہوئے تھے) پھینک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے اور انکے ہمراہ مکان کے دریچہ سے جو پشت کی جانب تھا باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھکو دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھکو رہنے نہیں دیتے یہ کہکر جبل ثور کا راستہ لیا جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر دہنی جانب واقع ہے۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کافرون کے سرون پر خاک پھینکنا بطور معجزہ کے تھا جسکا اثر یہ ہوا کہ آپ اپنے دشمنون کے درمیان سے صاف نکل گئے اور کسی نے نہ آپکو پہچانا اور نہ کسی نے آپ کی مزاحمت کی۔

صبح کو کفار قریش کے پاس (جو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے) شیطان بصورت شیخ نجدی ہوکر آیا اور کہا کیون انتظار کر رہے ہو؟ تمہارا دشمن تمہارے روبرو مکان سے باہر نکل گیا جب وہ مکان کے اندر گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انھون نے سوتا ہوا دیکھکر اس شیخ نجدی سے کہا تو جھوٹا ہے ہمارا مطلوب یہان موجود ہے اس نے کہا جگاکر تو دیکھو کون ہے اچانک حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے روئے مبارک سے چادر اٹھائی تو یہ لوگ اپنے خیال کی غلطی پر سخت نادم ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہان ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ اسوقت کہان ہیں۔ ظالمون نے یہ خیال کرکے کہ شاید حضرت علی جھوٹ بولتے ہون آپ کو پکڑا اور حرم میں لیجاکر تھوڑی دیر محبوس رکھا لیکن کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوتا ہوا دیکھکر چھوڑ دیا پھر سب لوگ وہان سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے اور آپ کی بیٹی حضرت اسمار رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ "تیرا باپ کہان ہے" آپنے فرمایا کہ مجھے خبر نہیں۔ ابو جہل ملعون سمجھ گیا کہ دونوں اپنی جانیں سلامت لیکر مکہ سے کسی جانب کو روانہ ہوگئے اور غصہ مین جھلاکر حضرت اسمار کے منہ پر ایک طمانچہ مارا جس سے کان کی بالی نکل پڑی اور آپ زمین پر گر گئیں۔

(باقی آئندہ)

اکمال الشیم

دوسری بار نئی خوبیون کے ساتھ طبع ہوئی ہے

اس لاجواب کتاب کی تعریف مین اس سے زیادہ کچھ کہنے کی حاجت نہیں کہ یہ کتاب الحکم کی بینظیر شرح ہے جسکے مصنف شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری ہین جنکی جلالت وعظمت پر صوفیہ کرام کا اتفاق ہے اصل کتاب عربی مین تھی جسکی تبویب شیخ علی متقی مصنف کنز العمال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور حضرت اقدس قطب العارفین رئیس السالکین مقدام العلماء الراسخین مولانا الحافظ الحاج شاہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرہ نے اعلیحضرت شیخ العرب والعجم قطب العالم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کے ارشاد سے اردو مین ترجمہ فرمایا پھر مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد عبداللہ صاحب گنگوہی نے اسکی مفصل شرح فرمائی اور حضرت اقدس حکیم الامۃ المحمدیہ مجدد الملۃ الاسلامیہ مولانا شاہ محمد اشرفعلی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اسکو بیحد پسند فرماکر خانقاہ امدادیہ کے درس سلوک میں داخل فرمایا۔ اور سالکین کو بعد اسکے مطالعہ کا حکم فرماتے ہیں علاوہ کتاب کے فی نفسہ مفید ہونیکے ایک خصوصیت اسمیں یہ ہے کہ گو اسکی شرح مین عربی شرح سے مدد لیگئی ہے جسکو شارح نے دیباچہ مین ظاہر کیا ہے لیکن زیادہ تر امداد حضرت اقدس حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدفیوضہم العالی کی تحقیقات تقریریہ وتحریریہ سے ہی لیگئی ہے جیسا کہ مراجعت ماخذ سے معلوم ہوسکتا ہے منتسبین حضرت حکیم الامۃ کیلئے اسکو داخل درس کرائے جانے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ اس بناپر حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ کے افادات کے شائقین کو خصوصیت کیساتھ اسطرف متوجہ ہونا چاہیئے اور طبع ثانی میں تتمیم فائدہ کیلئے آخر مین حضرت والا کے چند خاص افادات کا مجموعہ ملقب بہ السلسبیل لعابری السبیل بھی اضافہ کردیا گیا ہے جنمین تصوف کا نہایت جامع مانع خلاصہ اور نہایت ہی سہل طریق عمل ارشاد فرمایا ہے جو قریب قریب تمام مطولات سے مغنی ہوگیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔ (عہ) محصولڈاک بذمہ خریدار +

المشتہر: محمد عثمان تاجر کتب دریبہ کلان دہلی